قیمت ایک روپیہ چار آنے

یادگار مصنوعہ حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ

رسالہ عصمت دہلی

ہندوستان بھر کے تمام زنانہ اخبارات و رسائل میں سب سے اچھا اور سب سے زیادہ چھپنے والا مشہور و معروف باتصویر ماہوار رسالہ ۲۸ سال سے کامیابی کے ساتھ جاری ہے عصمت ہندوستان کے مشہور ادیبوں اور ملک کی بہترین لکھنے والی خواتین کے اعلیٰ درجہ کے مضامین ۸۰ صفحوں پر ہر ماہ شائع کرتا ہے عصمت ہی وہ رسالہ ہے جو صوری و معنوی خوبیوں کے لحاظ سے شریف بیگمات کے لئے ہندوستان کا چوٹی کا رسالہ سمجھا جاتا ہے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ (للعہ ر)

رسالہ بنات دہلی

حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ نے ۱۹۲۶ء میں یہ ماہوار رسالہ مسلمان لڑکیوں کے لئے جاری فرمایا تھا۔ نو سال میں اس کا کسی ایک ماہ کا پرچہ بھی ایک دن کی تاخیر سے شائع نہیں ہوا عصمت کی طرح بنات بھی پابند وقت ہے۔ لڑکیوں اور بچیوں کے لئے بہترین مضامین سبق آموز نظمیں۔ مزیدار کہانیاں شائع کرتا ہے زبان اتنی آسان کہ گیارہ برس تک کی بچیاں سمجھ سکتی ہیں۔ سال میں ایک خاص نمبر شائع ہوتا ہے بنات باتوں ہی باتوں میں لڑکیوں میں مذہبیت پیدا کر دیتا ہے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ جو بذریعہ منی آرڈر بھیجا جائے۔ بذریعہ وی پی عہ۔ نمونہ مفت۔ منیجر عصمت و بنات۔ دہلی

آزادیٔ نسواں کے سلسلہ میں زبانی بھی اور تحریری بھی، خطوط میں بھی اور مضامین میں بھی کئی صاحبوں نے متعدد مرتبہ حضرت والد مغفور کو اس طرح مخاطب فرمایا تھا کہ حضرت یہ ساری آگ آپ ہی کی لگائی ہوئی ہے۔ "آپ عورتوں کے حقوق کی رٹ لگائے چلے جاتے، مسلمانوں کو آج یہ دن دیکھنا پڑتا"۔ اس میں شک نہیں عورتوں کے حقوق کے لئے حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ سے زیادہ کسی نے نہیں لکھا، کسی نے کوشش نہیں کی، لیکن اعتراض کرنے والوں نے اس حقیقت کو نظر انداز فرما دیا تھا کہ عورتوں کے فرائض پر بھی علامہ مغفور سے زیادہ کسی نے نہیں لکھا، مستقل تصانیف ہوں یا عصمت کے مضامین، حقوقِ نسواں پر جس قدر تحریر فرما گئے قریب قریب اُتنا ہی فرائضِ نسواں پر بھی۔ مصورِ غم مرحوم نصف صدی تک جہاں یہ کوشش فرماتے رہے کہ مسلمان مرد عورت کو وہ تمام حقوق واپس کر دیں جو شارع علیہ السّلام نے اُسے عطا فرمائے ہیں۔ جنھیں وہ محض اپنی ہٹ دھرمی سے غصب کر چکے ہیں۔ اور اُس کا وہی احترام کریں جو اسلام نے کیا ہے۔ وہاں عورتوں کو ہمیشہ یہ تلقین و ہدایت فرماتے رہے کہ خدمت سے عظمت اور فرائض کی ادائگی سے حقوق پیدا ہوتے ہیں۔ علامہ مغفور نے اُس آزادیٔ نسواں کی جس میں مرد عورت کا امتیاز نہ رہے ہمیشہ سخت مخالفت کی اور اعلیٰ تعلیم پر بھی اتنا زور نہیں دیا جتنا اِس اشد ضرورت پر کہ عورتیں سگھڑ، سلیقہ شعار، ہنرمند، منتظم، خانہ داری کے مختلف شعبوں میں ماہر، المختصر ایک "اچھی گھر والی" ہوں۔ علامہ مغفور کی جہاں یہ آرزو تھی کہ مسلمان عورتیں شرع اسلام کے موافق اپنی ننھی سی سلطنت کی باختیار ملکہ ہوں وہاں وہ یہ بھی کوشش فرماتے رہے کہ وہ اپنی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں کو اپنی سلیقہ شعاری اور خانہ داری کی قابلیت سے جنت کا نمونہ بنا دیں اور اپنی پھٹی پُرانی گدڑیوں میں لعل بے بہا کی طرح چمکتی دمکتی نظر آئیں۔

بعض نامور مصنفین نے دوسروں کی لکھی ہوئی کتابیں (کسی غرض سے ہی) اپنے نام سے شائع کی ہیں۔ ایک وہ لوگ ہیں ایک حضرت علامہ مغفور تھے کہ اپنے بے شمار مضامین دوسروں کے ناموں سے شائع کر کے بار بار اپنے نام کو نمایاں کرنا پسند نہ فرمایا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ علامہ مغفور کو شہرت و نام و نمود سے سخت نفرت تھی۔ اُنھیں نام کی پرواہ نہ تھی وہ صرف کام چاہتے تھے۔ لڑکیوں میں مضمون نگاری کا شوق پیدا کرنے کے لئے اُن ہی کی زبان، اُنھیں کے مذاق اور اُنھیں کی ضرورت کے لاتعداد مضامین خود لکھے اور اپنی کسی عزیز کو مشہور کرنے کے لئے نہیں، مختلف فرضی زنانہ ناموں سے شائع کئے۔ عورتوں کے حقوق کے متعلق میں علامہ مغفور کے کئی مجموعے شائع کر چکا ہوں۔ یہ مجموعہ جو عورتوں کے فرائض کے متعلق ہے اُس میں نصف کے قریب وہ مضامین ہیں جو اُنھوں نے اپنے نام سے شائع نہیں کئے تھے۔ مگر ان سے جو اصلی مقاصد تھے اُن میں زبردست کامیابی

ب

حاصل ہوئی یعنی متعدد مضمون نگار عورتیں پیدا ہوگئیں جو ان شاء اللہ اب نہ صرف خانہ داری کے متعلق بلکہ ہر موضوع پر قابلِ قدر مضامین لکھتی ہیں۔ ان مضامین نے نہ صرف خواتین کو مضمون نگار بنا دیا بلکہ ہزاروں عورتوں کی زندگی میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا۔ سرسری طور پر ان کے مطالعہ سے وہ کچھ خوش نہ ہوئیں بلکہ بعض بعض فقرے انہیں ناگوار بھی گذرے۔ مگر جب غور کیا اور پھر عمل تو انہوں نے زندگی کا اصلی مقصد یعنی حقیقی مسرت حاصل کر لی۔

اس مجموعہ میں بعض موضوعوں پر کئی کئی مضامین ہیں مگر مختلف زمانوں کے مثلاً ایک موضوع پر ایک مضمون [illegible] کا ہے تو دوسرا ۱۹۲۵ء کا۔ دوسرے مضمون میں بعض باتیں وہی ہیں جو پہلے مضمون میں آچکی ہیں چونکہ ایسی مفید باتوں کا ہر خانہ دار بی بی کے ذہن نشین ہونا بے انتہا ضروری ہے اس لئے ان کا مطالعہ اور بھی زیادہ مفید ہے۔ بعض مضامین بہت ہی مختصر بلکہ نامکمل اور تشنہ ہیں اور وہ اس لئے کہ عصمت کے کسی بڑے مضمون کے ختم ہونے کے بعد پون صفحہ یا نصف صفحہ کی جو جگہ بچ گئی تھی اس کے لئے لکھے گئے تھے لیکن چونکہ ان میں بھی کام کی باتیں مل رہی ہیں اس لئے اس مجموعہ میں اُن کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

علامہ مغفور کے لٹریچر کا مطالعہ کرنے والا یہ دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے کہ اس صدی کے مصلحِ اعظم کی نظر کس قدر باریک بیں تھی کہ خانہ دار بیبیوں کی کسی ضرورت کو نہ چھوڑا۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں جن کو عام طور پر کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، اس مجموعہ کی فہرست مضامین پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ مغفور ان پر بھی خواتین کو متوجہ کرنے کی ضرورت محسوس فرماتے تھے اس لئے کہ یہی میل کا بیل۔ پر کا کوا۔ اور تل کا پہاڑ بن جاتی اور زندگی کا سارا لطف کرکرا کر دیتی ہیں۔

اس مجموعہ کے مضامین نے گزشتہ چوتھائی صدی میں بہت سے شاہراہ زندگی سے بھٹکے ہوؤں کو چراغِ ہدایت بنکر سیدھا راستہ دکھایا، بگڑے ہوئے گھروں کو بنایا اور روٹھے ہوؤں کو منایا ہے۔ اب کتابی صورت میں جمع ہو کر عورتوں کی بے مثل سچی ہمدردی اور بے نظیر حقیقی درد رکھنے والے دل سے نکلے ہوئے یہ گراں بہا مضامین خواتین ہند کے حسنِ اعظم کے یہ خانہ داری کے متعلق بیش قیمت مشورے ان شاء اللہ خانگی زندگی کو خوشگوار بنانے میں مدتوں رہنمائی کرتے رہیں گے۔

رازق الخیری

یکم ستمبر [illegible]

فہرست مضامین گدڑی میں لعل

گدڑی میں لعل

خدا بھلا کرے مرنے والوں کا جو بات کہی باون تولے اور پاؤ رتی کی۔ گدڑی میں لعل بات تو معمولی ہے مگر جوہر شرافت کی کچھ ایسی داد دی ہو کہ بے اختیار مرحبا کہنے کو جی چاہتا ہے۔ ایک دو نہیں سیکڑوں بیویاں ایسی نظر آئیں گی کہ اپنی آرایش و زیبایش میں تو بیسیوں روپے اور گھنٹوں وقت ضائع کر دیں۔ اچھے سے اچھے کپڑے قیمتی سے قیمتی زیور۔ بہتر سے بہتر کھانا۔ غرض دُنیا کی جتنی خوبیاں ہیں بہ ظاہر سب موجود، لیکن صورت ظاہری سے ذرا آگے بڑھ کر دیکھو تو اللہ کا نام۔ گھر کی خاک اُڑ رہی ہے تو بلا سے۔ بیٹھنے کو کھٹولی نہیں تو نہ ہو۔ قرض داروں نے ناک میں دم کر دیا تو صدقے سے۔ بیوی کے سر پر تو کارچوبی دوشالہ عزت سے زیادہ اور حیثیت سے بڑھ کر ہو گیا!

اگر میرا خیال غلط نہ ہو تو میری رائے میں اُس عورت سے زیادہ بیوقوف دُنیا میں کون ہوگا جو بغیر کسی انجام کے سوچے اور نتیجے کے سمجھے محض اپنا دل خوش کرنا مقدم سمجھے۔ بالفرض آج مانگے تانگے کے زیور، گوٹے ٹھپے کے کپڑوں سے کسی غیر محفل اور اجنبی آدمیوں میں عزت بھی ہو گئی تو کل کیا؟ اگر کبھی کوئی بیوی اپنے ہاں آ نکلیں تو گھر میں کتے لوٹ رہے ہیں۔ مٹی میں مل گیا وہ گہنا اور دو کوڑی کی ہو گئی وہ عزت! خوان پڑا خوان پوش پڑا کھول کے دیکھو تو آدھا بڑا۔ بیوی کی ظاہری صورت دیکھ کر تو معلوم ہوتا ہے کہ بڑے باپ کی

بیٹی۔ اونچے گھر کی بہو۔ مگر گھر میں جا کر دیکھو تو دریوں میں خاک کی تہہ اچھونوں پر مٹی کا ڈھیر ارہا مزاج اس سے اس وقت بحث نہیں۔

ایسا کون ہو گا جسے گہنا کپڑا اچھا نہ معلوم ہوتا ہو امیر اپنی حیثیت کے موافق۔ غریب اپنی بساط کے لائق سب ہی پہنتے اوڑھتے ہیں۔ مگر گھر والی ہونیکا تقاضا یہ ہے کہ انجام پر بھی نظر رہے۔ پیسہ دو پیسہ وقت بے وقت کے لئے گرہ میں بھی ہوں۔ میز۔ کرسی۔ قالین۔ غالیچے نہ ہوں تو نہ سہی۔ دو منزلے سہ منزلے نہ خانے خس خانے نہیں ہیں تو ہرج نہیں۔ مگر صاف ستھرا ڈھنگ کا بچھونا۔ لپا لپایا چندن سا گھر تو ہو۔

زیور ہزاروں کا نہیں لاکھوں کا ہو مگر سلیقہ نہیں تو لاکھ کا گھر خاک۔ عورت جب ہی عورت اور گھر والی جب ہی گھر والی ہو کہ اُس میں عاقبت اندیشی ہو ورنہ وہی مثل ہو گی جو کسی ماں نے اپنی بیٹی سے کہی تھی۔

"ہنر سلیقہ تیرے نہیں، لینا دینا میرے نہیں، بیٹی جیب چلائیو روٹی کھائیو۔"

گو انسان کی اندرونی حالت سالقہ ہی پڑنے سے اچھی طرح معلوم ہوتی ہے۔ مگر سلیقہ، سُگھڑاپا، کفایت شعاری۔ عاقبت اندیشی۔ عورت کے اصلی جوہر ہیں۔ جو چودہویں کے چاند کی طرح ہر وقت چمک رہے ہیں۔ گھر اُس کی سوانح عمری کا پہلا ورق اور بچے اس کی عادات واطوار۔ خیال وقیاس۔ خو۔ بو۔ رنگ ڈھنگ دکھانے کا آئینہ ہیں۔ ایک غیر سے غیر عورت اور انجان سے انجان بیوی جس نے گھر والی کی کبھی صورت بھی نہ دیکھی ہو۔ گھر کی کیفیت اور بچوں کی حالت دیکھکر اچھی طرح رائے قائم کر سکتی ہے کہ گھر کس مالک کے ہاتھ میں ہے۔ اور بچوں نے کیسی گود میں دودھ پیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ گھر کی درست حالت بچوں کی اچھی تربیت سیکڑوں کے

کپڑے اور ہزاروں کے زیور سے لاکھ درجہ بہتر ہے۔ لیکن اس سے اُلٹا یہ مفہوم نہ لیا جائے کہ زیور اور لباس پر اعتراض ہے۔ ہرگز نہیں۔ ہاں انسان کا سب سے بڑا جوہر ادائگی فرض ہے۔ اور عورت کا سب سے بڑا فرض خاوند کی کمائی کا جائز صرف ہے۔

بالفرض ایک شخص کی آمدنی اتنی محدود ہے کہ مشکل سے ضروریات کو کافی ہو سکتی ہے تو کیا وہ بیوی جو اس آمدنی پر قابض ہے اس کو جائز صرف کہہ سکتی ہے۔ کہ بڑا حصہ اپنے لباس پر صرف کر دے؟ بننا گھر والی کا نہیں ہوتا بلکہ گھر کا ہوتا ہے۔ ایک عورت کا ذکر سنا ہے کہ وہ روز صبح اُٹھکر سب سے پہلا کام اپنی اور اپنے لباس کی درستی سمجھتی، اور اس کی داد کی خاوند سے متوقع رہتی۔ مگر کسی دن داد نہ ملی۔ آخر ایک روز جل کر اپنے تئیں تو ہاتھ نہ لگایا لیکن جتنا وقت اپنے اوپر صرف ہوتا تھا وہ سب گھر کی درستی میں صرف کر دیا۔ جس وقت خاوند آیا اور یہ حالت دیکھی تو اُس نے فوراً کہا کہ "ہاں آج تمہاری محنت قابلِ شکریہ ہے"۔

سچی بات بھی یہی ہے کہ چاہے اپنے کپڑے پھٹے پُرانے میلے کچیلے ہوں لیکن اسی گودڑ اور لیرلوپاں والی کا گھر جس وقت سجا سجایا۔ بچّے ہشیار تمیزدار دکھائی دیتے ہیں تو بلا تامّل یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ "گدڑی میں لعل" سگھڑ بیوی کے یہی کام ہیں کہ چاہے اپنے وقت کو تنگی ترشی سے گزار دیں۔ مگر ضرورت پہ دو چار پیسے نکال ہی دینگی۔ یہ نہ ہوگا کہ اگر مہینے دو مہینے کو خاوند بیمار پڑ گیا تو ایک ایک کے آگے ہاتھ پھیلا رہی ہیں۔

مرد کی کمائی اور عورت کا سلیقہ

ماں باپ اولاد کی پرورش اور اُن کی آیندہ زندگی کو خوشگوار بنانے کے ذمہ دار ہیں۔ بچوں کو نہ صرف پال پوس کر بڑا کر دینا اُن کا فرض ہے۔ بلکہ یہ کام بھی اُن کا ہے کہ جہاں تک اُن کا اِمکان ہو اُن کو اِس قابل بنا دیں کہ وہ جب تک رہیں خوش رہیں۔ باوجود ان سنگین فرائض کے والدین اولاد کی زندگی کے شریک نہیں ہیں۔ زندگی کے شریک صرف میاں بیوی ہی آپس میں ہیں۔ اور یہ شرکت اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے دُنیا میں قدم رکھتے ہیں۔ غور سے اگر دیکھا جائے تو اس شرکت میں حقیقی مسرت کا راز اور سخت صدمات کے بھید پوشیدہ ہیں۔ اور اشد ضرورت ہے کہ والدین اپنے بچّوں کو اس آزمائش میں پڑنے سے قبل خوشی اور رنج سے باخبر کر دیں۔ چنانچہ جہاں تک اُن کی عقل کام کرتی ہے۔ اِن کا اختیار ہوتا ہے۔ وہ اسکی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اس امتحان کے واسطے تیار کرنا کوئی تعویذ تو ہے نہیں کہ گھول کر پلا دیں۔ بڑی ضرورت تو علم کی ہے جسکی بدولت وہ خود ہر معاملہ کو سمجھ سکیں۔ اور اس کے بعد تجربہ ہے جو وہ ماں باپ کی زندگی سے سیکھتے ہیں۔

اِسی غرض سے لڑکیوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔ کیونکہ علم ہی ایک ایسی شے ہے جس سے اِنسان خدا کو پہچان سکتا ہے۔ اور جب خدا کو پہچان لیا

تو دُنیا اور دُنیا کی ضرورتوں کو سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں۔ بچیوں کو پڑھانے لکھانے کا منشا، یہ ہے کہ وہ اِس اور اُس دونوں زندگیوں کے معنی سمجھ سکیں نہ کہ صرف یہ کہ وہ کھڑی ہو کر تقریر کر لیں۔

یہ شرکت معمولی چیز نہیں، ایک ایسی بڑی ذمہ داری ہے جس پر ان ہی دونوں زندگیوں اور ان دو زندگیوں کے ساتھ آیندہ کی بہت سی زندگیوں کی بنیاد اسی پر چنی جائے گی۔ اِس لئے اِس شرکت کو پوری طرح نہ سمجھنا وہ نقصان ہے جس کی تلافی وہ گناہ ہے جس کی مغفرت اور وہ مرض ہے جس کا علاج ہے نہ ہو سکتا ہے نہ ہوگا۔ یہ وہ شرکت ہے جس سے دونو میاں بیوی مل جلکر زندگی کی گاڑی کو منزل مقصود تک پہنچائیں گے۔ یوں تو دُنیا کے ہر معاملہ اور زندگی کی ہر ضرورت پر یہ شرکت بحث کا حق رکھتی ہے۔ لیکن اِس وقت ہماری پیش نظر صرف روپیہ ہے۔ جو مرد کما کر لاتا اور بیوی کے ہاتھ میں دیتا ہے۔ مرد کا کام یہ ہے کہ وہ جائز طور پر محنت سے مزدوری سے وقت سے مصیبت سے اِن ضرورتوں کے رفع کرنے کے واسطے جو میاں بیوی کے سامنے آتی ہیں روپیہ پیدا کرے۔ اور عورت کا کام یہ کہ وہ اِس روپیہ سے ان ضرورتوں کو اِس طرح پورا کر دے کہ روپیہ کا صرف ضرورت سے آگے بڑھ کر اگر شوق اور خواہش کی حدود میں داخل ہوتا ہے تو وہ یہ سمجھ لے کہ مجھے ایسا کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں۔ اور آیا میری حرکت شوہر کے واسطے اِس طرح مصیبت تو نہ ہو جائے گی۔

زندہ رہنے اور عزت قائم رکھنے کے واسطے جن اسباب کی ضرورت ہے وہ لازمی ہیں۔ ان میں کمی بیشی کی گنجایش نہیں۔ اگر کسی گھر میں دس آدمی ہیں اور پان سیر آٹا روز صرف ہوتا ہے تو گھر والی بیوی سے کوئی یہ توقع نہیں

کر سکتا کہ وہ بجائے پانچ سیر کے چار سیر میں پورا کر دے۔ ہاں عزّت بھرم ساکھ کا مول قابل بحث ہے۔ جو حالت بیوی کی میکے میں تھی اُسی حالت کو وہ شوہر کے ہاں قائم رکھنے کی توقع نہیں کر سکتی۔ اگر اس کے باپ کی آمدنی پانسو روپے ماہوار تھی اور شوہر کی صرف پچاس تو جس طرح اُسنے کوارپنے میں زندگی بسر کی اس طرح اس کا یہاں بسر کرنا کھلی ہوئی غلطی ہے۔ وہ اگر وہاں چکن پہنتی تھی تو یہاں ململ اور وہاں ریشمین چادر اوڑھتی تھی تو یہاں سوتی چادرہ اوڑھے گی۔

وہ ایک شخص کی شریک زندگی اس لئے نہیں ہوئی ہے کہ بیٹے کے عقیقہ پر مُنہ پُھلا کر بیٹھ جائے اور جب تک شادی رچائے کی یہاں سے ہاں نہ کروا لے اُس وقت تک سیدھے منہ بات بھی نہ کرے بلکہ اس لئے بیوی بنتی ہے کہ جس وقت وہ بساطی کو بیلوں کے روپیہ دے تو یہ بھی سوچے کہ یہ روپیہ میرے پاس کس طرح آیا۔ اس روپیہ کی صورت میں نے اس وقت دیکھی ہے جب کمانے والے نے اس کے واسطے اپنی آزادی فروخت کر دی جس طرح میری ماما گھرکیاں جھڑکیاں سُنکر تنخواہ لیتی ہے۔ اسی طرح افسر کے سامنے گھنٹوں کھڑے رہ کر دوپہر میں کام ختم کرنے کے بعد بجلی میں اور بادل میں گرج میں اور چمک میں اپنا فرض پورا کر کے شوہر یہ روپیہ لایا ہے۔ یا کاروبار میں گھنٹوں کی مصروفیت ہر وقت کی کوفت اور ہر لمحہ کی دقّت اُٹھا کر یہ روپیہ نصیب ہوا ہے۔ یہ صحیح کہ روپیہ مرد کی جوتیوں سے لگا ہوا ہے۔ نہ ادم رکھے تو اگلے مہینے پھر تنخواہ آجائیگی یا کاروبار جاری رہے تو روپیہ کی کیا کمی ہے۔ مگر وقت پڑتے اور بُری گھڑی آتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ نوکری چھوٹ گئی کاروبار بگڑ گیا تو انجام کیا ہوگا؟ شوہر ذمہ دار نہیں ہے۔ اس نے جو کمایا وہ لا کر دے دیا اس میں سے بچانا اور وقت بے وقت کے واسطے جمع کرنا عورت کا کام ہے۔ اِس کو کہتے ہیں "مرد کی لماق عورت کا سلیقہ"

عورت کا مقصد زندگی

جس طرح عورت اور مرد کے بنانے میں قدرت کو کچھ تھوڑا سا فرق رکھنا ضروری تھا۔ اسی طرح اُن کے کاموں کی جدا جدا تقسیم اور فرائض کا الگ الگ تقرر بھی قدرت ہی کی ضرورت تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تمام کاروبار چوپٹ ہوجاتے اور کارخانۂ دنیا کا چلنا مشکل ہوجاتا۔ بہت سی باتیں ہیں جن کا مردوں میں ہونا لازمی ہے لیکن عورتوں میں انکا ہونا ضروری نہیں بعض ایسی بھی ہیں کہ اگر مردوں میں ہوں تو ہنر اور عورتوں میں ہوں تو عیب۔ یا عورتوں میں ہیں تو عزت اور مردوں میں ہیں تو ذلت۔ مثال کے طور پر شرم و حیا کو لو۔ اگر مرد شرمیلا ہو، نئے لوگوں اور اجنبی آدمیوں میں اچھی طرح بیٹھ کر گفتگو نہ کرسکے تو وہ یقیناً بودا سمجھا جائے گا۔ لیکن برخلاف اس کے اگر عورت شرم و حیا سے کام لے ناواقف عورتوں کے سامنے پٹر پٹر بولے اجنبیوں سے جلد بے تکلف نہ ہو تو مضائقہ نہیں۔ غرض جس طرح ان کی بناوٹ میں اختلاف ہے اسی طرح ان کے فرائض بھی جدا ہیں۔ اور اسی لئے مردوں اور عورتوں کی زندگی کی اصلی غرض بھی یکساں نہیں۔ سوال یہ ہے کہ عورتوں کی زندگی کا اصلی مقصد کیا ہے؟ کیا کام ہیں جو وہ انجام دیں اور کیا باتیں ہیں جو وہ پوری کریں تو انہوں نے اپنی زندگی کی غرض اور قدرت کا منشاء پورا کیا۔

انسان ایک قسم ہے حیوان کی۔ صرف عقل وہ چیز ہے جس نے انسان کو معمولی

حیوان سے بہتر بنا دیا۔ اگر انسان اس چیز سے جو اُسکو جانوروں سے اچھا بنا رہی ہے یعنی عقل کام نہ لے تو اس میں اور جانوروں میں مطلق فرق نہیں۔ یہی جواب تھا۔ ایک بزرگ حسن بصری کا جب اُنہوں نے ایک شخص سے سوال کیا "تم زندگی کس طرح بسر کرتے ہو" اور اس شخص نے کہا "جب میسر ہوتا ہے تو کھا لیتا ہوں اور جب نہیں ملتا تو صبر کرتا ہوں" حسن بصری نے فرمایا "اگر انسانیت اسی کا نام ہے تو کتا سب سے بہتر انسان ہے ملجاتا ہے تو کھا لیتا ہے۔ نہیں ملتا تو بھوکا پڑ رہتا ہے۔ یوں کہو ملجاتا ہے تو دوسروں کو کھلا کر کھاتے ہیں اور نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں"۔ دنیا میں بہت سی عورتیں ایسی ہونگی جنہیں مطلق یہ خیال نہ آتا ہوگا کہ ہم کیوں پیدا کئے گئے اور ہمیں کیا کرنا ہے اگر زندگی اسی کا نام ہے کہ پیدا ہوئے پلے بڑھے اور مر گئے تو ان کی اور جانوروں کی زندگی میں کیا فرق ہے؟ وہ عورت جو کبھی اس طرف توجہ نہیں کرتی اس کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ اپنے تئیں آدمی سمجھے۔ وہ چور کو چور کیوں کہتی ہے؟ اس لئے کہ چور دوسروں کے کلیجہ میں ہاتھ ڈال کر اپنا پیٹ پالتا ہے۔ وہ کتے کو جانور کیوں سمجھتی ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ سالن رکھکر ادھر اُدھر ہو جائے تو کتا قطعی بوٹی لے اُچکے گا۔ پھر کیا سبب ہے کہ اگر وہ آدمیوں کے سے کام نہ کرے تو وہ آدمی بھی جلے۔ سمجھدار عورت کا فرض ہے کہ اپنی زندگی کا مقصد تلاش کریں اور اس کو پورا کریں۔ کس کس عمر میں اسکو کیا کیا کرنا ہے۔ بیٹی ہونے کی حیثیت سے اسکو کیا کرنا ہے؟ بیوی ہونے پر اس کے فرائض کیا ہیں جبکہ اُسکو کیا خدمت کرنی ہے؟ بہ حیثیت انسان ہونے کے اسکا کام کیا ہے؟

ان تمام باتوں پر نظر رکھنے والی بیبیاں افسوس ہے بہت کم ہیں مگر ضرورت ہے کہ ہر عورت اپنے کاموں پر غور کرے اس لئے مناسب ہوگا کہ اس مضمون پر بحث کرنے کے لئے ہم ایک عورت کی زندگی کو چار حصوں میں تقسیم کریں اور دیکھیں

الگ الگ عمر کے ہر حصہ کا ذکر کیا جائے۔

(۱) کوارپتہ۔ ہوش سنبھالنے کے بعد سے روز وداع تک کے فرائض۔

(۲) بیاہی ہوئی۔ سسرال پہونچکر کیا کرنا ہے۔

(۳) ماں۔ ماں ہوجانے پر کیا فرائض انجام دینے ہیں۔

(۴) عورت۔ بحیثیت عورت ہونے کے دنیا میں کیا کرنا ہے۔

۱۔ سب سے پہلا زمانہ کوارپتے کا ہے جب ماں باپ جیسے رفیق سر پر موجود ہیں۔ ہر طرح کی نازبرداری ہو رہی ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ اگر لڑکی نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا اور اس وقت کو غنیمت سمجھکر وہ باتیں حاصل نہ کریں جو آیندہ عمر میں کام آنے والی ہیں تو اس سے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں۔ زندگی شادی ہی کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ اور دنیا سے سابقہ شادی ہی کے بعد پڑتا ہے۔ کوارپتے کا زمانہ اس واسطے ہے کہ اس میں وہ تمام معاملات معلوم ہوجائیں جن سے آگے چل کر پالا پڑیگا۔ دنیا کس طرح چلتا ہے۔ دنیا والوں سے کیا برتاؤ کرنا ہے۔ عمر کس طرح بسر کرنی ہے۔ کوارپتے کا زمانہ اس واسطے نہیں ہے کہ کھیل کود میں ختم اور اماں باوا کی للّو چپّو میں پورا ہوجائے۔ چراغ جلے جو پڑکر سوئے تو صبح سویرے سو کر اٹھے۔ کھایا پیا اور چل کھیل کود میں۔ دن اس طرح پورا ہوا۔ رات اس طرح ختم ہوئی۔ آنکھ جو کھلی سسرال کا سورج سر پر چمک رہا ہے۔

میکے ہی میں لڑکی کو اس وقت کے واسطے تیار ہوجانا چاہیئے جو آنیوالا ہے۔ اگر وہ پہلے سے تیاری نہ کرے گی۔ اور ایک گوشت کا لوتھڑا سسرال جا داخل ہوگی تو اس کی آدھ بھگت جتنی ہوگی ظاہر ہے۔ اسکو یہ توقع ہی نہ رکھنی چاہیئے کہ وہ کبھی بے فکری کی زندگی بسر کریگی۔ وہ اپنے ساتھ کئی اور زندگیوں کو غارت کرے گی۔ دنیا بھر کی مصیبتوں کا نشانہ ہوگی۔ اسکی زندگی جانوروں سے بدرجہا بدتر ہوگی۔ کیونکہ جانور کو کسی دوسری زندگی سے واسطہ نہیں۔ اسکو کبھی یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ میری مالی حالت موجودہ حالت سے بہتر ہوگی۔

بلکہ اُسکو یقین کر لینا چاہیئے کہ میری آمدنی میرے ماں باپ سے کم ہوگی۔ اس کم آمدنی میں مجھ کو تمام ضرورتیں پوری کرنی ہیں۔ اور وقت بے وقت کے واسطے کچھ بچانا بھی ہے۔ اسکو سمجھ لینا چاہیئے کہ مجھ کو گھر۔ ماں کے گھر سے بہتر کرنا ہے۔ جو نقص اس گھر میں موجود ہیں وہ میرے گھر میں نہ ہوں گے۔ باوجود کئی بچے ہو جانے کے میں گھر کو کوڑے کا ڈھیر نہ بناؤنگی۔ جن باتوں سے آج باپ کو تکلیف ہو رہی ہے جو شکایتیں باپ کو میری ماں سے ہیں اُن سب کا لحاظ رکھوں گی کہ میرے ہاں ایسے سامان پیدا نہ ہوں۔ قدرت نے اس کو کوارے پنے ہی میں گھر والی بننے کا ایک موقعہ دیدیا ہے۔ اس کو چاہیئے کہ وہ تمام تجربہ میکے میں کرے خانہ داری کا انتظام۔ چیز بست کی دیکھ بھال۔ پکانا ریندھنا۔ سینا پرونا۔ غرض ہر کام میں اتنی مہارت پیدا کرے کہ وقت پر کسی کا محتاج ہونا نہ پڑے۔

شادی کیوں کی گئی ہے؟ اس لئے کہ جہاں تک اسکے امکان میں ہو وہ شوہر کو آرام و آسائش پہنچائے۔ اسکی باقی عمر میں غمگسار رفیق اور دمساز ہو۔ اسکی کمائی کو اس طرح صرف کرے کہ اگر وہ خود بھی صرف کرتا تو اس سے بہتر صرف نہ کر سکتا۔ غرض دُنیا میں جو راحت اسے بیوی سے پہنچے اس کا جواب نہ ہو۔

بہ حیثیت کواری لڑکی ہونے کے اس کا یہ بھی کام ہے کہ جن ماں باپوں نے اسکی پرورش میں شفقت اُٹھائی مصیبت جھگتی اُن کی خدمت سے دم بھر کو غافل نہ ہو۔ وہ ہر وقت تلاش میں رہے کہ کیا خدمت میں ان کی کر سکتی ہوں۔ جو موقعہ ملے اُس سے پورا فائدہ اُٹھانا ہے۔ اُسکو یقین کر لینا چاہیئے کہ یہ میکے کا زمانہ ہمیشہ رہنے والا نہیں عنقریب یہ دن پورے ہونیوالے ہیں۔ اسکے بعد اسے کوئی موقعہ نہ ملیگا کہ وہ ماں باپ کی خدمت کر سکے۔ اگر آج غفلت کی تو عمر بھر پچھتائے گی اور یہ وقت نصیب نہ ہوگا۔ فرماں برداری اس کا جوہر ہونا چاہیئے اور یہ ماں باپ ہی کے ساتھ ختم نہ ہو بلکہ کنبہ کے بزرگ خاندان کے بڑے بوڑھے جو حکم دیں اسکی تعمیل جہاں تک ممکن ہو ضرور کرے۔

جب شادی کا وقت قریب آجائے اُس وقت وہ دل میں سوچے کہ میں میکے میں کتنے آدمی ایسے چھوڑتی ہوں جن کو میرے ہاتھ سے تکلیف پہنچی اور کتنے ایسے ہیں جنکو میں نے سُکھ دیا۔ اگر ایک بھی ایسا نکلے جس کو تکلیف پہنچے تو وہ واقعی بدنصیب ہے۔ اگر اس وقت بھی اسکی تلافی نہ کرے اور دُکھ کے بدلے اب سُکھ نہ دے۔

۲۔ سُسرال۔ زندگی میں ایک بڑی ذمہ داری کا وقت وہ ہے جب لڑکی نکاح کے بعد سُسرال پہنچے اُس وقت اس کا سب سے پہلا مقصد اس شخص کو رضامند کرنا ہے جسکے ساتھ اسکو عمر بسر کرنی ہے۔ اس رضامندی کے حاصل کرنے میں جس قدر ذریعے ممکن ہوں سب کام میں لانے چاہئیں کیونکہ زندگی کا دار و مدار اسی پر ہے۔ ساس نندیں کیسی ہی ظالم درکنتی ہی بے انصاف کیوں نہ ہوں اگر انکی رضامندی سے خاوند خوش ہو تو تقدیر پر صبر کرکے انکی رضامندی کو لازم سمجھنا چاہیئے تاکہ اصلی مقصد کسی طرح پورا ہو۔ اس وقت کی تھوڑی سی کوفت ہمیشہ کا چین ہے۔

اگر کوئی اپنا مقصد یہ ہی قرار دے لے کہ جس طرح بھی ہوسکے مجھے اس شخص کے دل میں اپنی عزت و وقعت پیدا کرنی ہے تو ناکام ہونیکی کوئی وجہ نہیں چند روز میں یہ مقصد حاصل ہے اور جب یہ ہاتھ لگ گیا تو آئیوالی عمر کے بہت سے رنج اور تکلیفیں اسکی بدولت رفع ہوجائینگی۔

نہایت چھوٹی چھوٹی باتیں بعض اوقات بڑے بڑے جھگڑے پیدا کردیتی ہیں یہ خیال کہ شوہر نے یہ بات ہماری مرضی کے خلاف کی اس سے ناراض ہونا چاہیئے بہت ہی بُرا ہے۔

ابتدا میں اگر کوئی بات دل کو ناگوار بھی ہو تو فوراً ظاہر نہ کرنا چاہیئے۔ کوئی لڑکی جب تک کہ وہ اپنے مزاج میں تحمل نہ پیدا کرے ہرگز ہرگز کامیاب زندگی بسر نہیں کرسکتی۔ اسکو اپنا یہ فرض مان لینا چاہیئے کہ میں اس غرض سے آئی ہوں کہ شوہر کو انتک جو آسائش و آرام ماں باپ سے پہنچا وہ بُھلا دوں۔ مزاج کو اس طرح پہچان لوں کہ جس چیز کی ضرورت ہو اُسکے زبان پر لانے کا موقعہ نہ دوں بلکہ پہلے سے موجود کردوں۔

گھر اس طرح آراستہ ہو کہ اگر ضروری کام بھی ہو تو شوہر کا جی باہر جانے کو نہ چاہے

فرش کی صفائی کے یہ ہی معنی نہیں ہیں کہ جھاڑ دے دلا کر کوڑا الگ کر دیا۔ بعض نازک مزاج مرد اگر ایک سلوٹ بھی دیکھ لیتے ہیں تو تکلیف ہوتی ہے۔ بچھونا صاف ستھرا ہو مگر ڈھنگ سے نہ بچھایا گیا ہو تو بعض طبیعتوں کو تکلیف دیگا۔ میز پوش یا چادر لاکھ اصلی اور شفاف ہو لیکن اگر ایک طرف گز بھر لٹک رہی ہو اور دوسری طرف پاؤ گز تو بجائے گھر والی کے سگھڑ کہلوانے کے یقیناً اسکو پھوہڑ بنوائے گی۔

شرم و حیا عورت کا زیور ہے لیکن نہ اس قدر کہ خاوند سر ٹپکتے ٹپکتے مر جائے اور اس سے بات کرنی ہی قسم ہو جائے۔ علم کا شوق۔ کتابوں کا پڑھنا۔ اخباروں کا مطالعہ بہت اچھی چیز ہے۔ لیکن نہ اتنا کہ میاں کچہری جانے کو پان کے انتظار میں کھڑے ہیں اور بیوی دو سطریں ختم ہونے کی راہ دیکھ رہی ہیں۔

بعض دلہنوں کو سسرال میں ایک عجیب دقت پیش آتی ہے۔ ساس نندوں نے بات کا بتنگڑ بنا دیا اور دو ایک عورتیں گواہ بھی ہو گئیں کہ ہاں ہم نے بھی سنا تھا۔ دلہن بیگم کہہ رہی تھیں۔ اس کا سب سے بہتر علاج یہ ہے اور ہر لڑکی کو یہ احتیاط کرنی چاہیئے کہ سسرال کے آدمیوں سے جلد بے تکلف نہ ہو۔ اگر کوئی آ گیا اس سے دو چار ضروری باتیں کر لیں ورنہ جلد بے تکلف ہونے کا اور ہر ایک سے خلا ملا کرنے کا وہی نتیجہ بھگتنا پڑے گا جو اوپر بیان ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی آ کر اپنا دکھڑا بیان کرے اور سسرال والوں میں سے کسی کی شکایت کرے تو اسکو سنی ان سنی کر دے۔ یہ نہیں کہ خیر خواہی کے مارے فوراً ہی اس سے کہہ دیا کہ فلاں عورت تم کو یہ کہہ رہی تھی۔

حساب کتاب کے معاملہ میں ہر عورت اور خصوصاً نئی بیوی کو بہت ہوشیار رہنا چاہیئے۔ جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے اسکو اچھی طرح دیکھ بھال کر صرف کرے۔ جو اٹھائے اسکا حساب رکھے اور جو بچائے وہ احتیاط سے رکھے۔

۳۔ ماں۔ یہ نہایت نازک اور ذمہ داری کا وقت ہے۔ وہی لڑکی جو کل تک خود بچی تھی

آج بچہ کی ماں بن رہی ہے۔ نکاح کے بعد شوہر کی رضامندی کا مقصد یہ تھا کہ اپنی عمر چین سے بسر ہو۔ بچہ کی پرورش کی اصلی غرض یہ ہے کہ اس کلیجہ کے ٹکڑے کی تمام عمر چین سکھ سے گذرے۔ اسکی طبیعت میں ابھی سے بدی کے ایسے بیج نہ بوئے جائیں جو آگے چل کر گھنا درخت ہوں گے۔ اسکو گود ہی میں انسان بنانا ہے اگر اب انسان نہ بن سکا تو عمر بھر جانور رہیگا۔ ماں کا سب سے پہلا کام بچہ کی پرورش میں اسکو وقت کا پابند بنانا ہے اور وہ بآسانی اس طرح ممکن ہے کہ اسکے ہر کام کے واسطے وقت مقرر کردے۔ سلانا۔ اُٹھانا۔ دودھ پلانا۔ منہ ہاتھ دُھلانا۔ نہلانا وغیرہ وغیرہ۔ کسی ایسے شخص کے پاس بچے کو ہرگز جانے بھی نہ دینا چاہیئے جو جھوٹ بولتا ہے خود کبھی بچے سے جھوٹ نہ بولنا چاہیئے۔ بعض عورتوں کو کسی مرض یا فکر کی وجہ سے دودھ کی کمی کی شکایت ہوتی ہے۔ بازار کا دودھ یا گائے کا جو ہو۔ مگر صرف اُس کا پیٹ بھر دینا چاہیئے۔ پیٹ سے زیادہ دینا سخت غلطی اور حد درجہ کی نادانی ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ جس ڈھرے پر آج مائیں بچہ کو ڈال دینگی وہ اُسی رستہ پر اپنی عمر پوری کردیگا۔ اس خیال سے کہ بچہ بہت دیر تک سوتا رہے۔ افیم دینی بہت ہی بھاری غلطی ہے مختصر یہ کہ ماں بچہ سے جن باتوں کی توقع رکھتی ہے خود نمونہ بنکر دکھائے انگلستانی ماؤں کا یہ طریقہ بہت اچھا ہے کہ بچہ کو دودھ پلادیا اور الگ سُلادیا۔ یہ نہیں کہ ایک بچہ کی پیدائش ماں کی زندگی بیکار کردے۔ اگر وہ بھوکا نہیں ہے یا بیمار نہیں ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ روتا ہے۔ بشرطیکہ اُسکو ہر وقت ماں کی گود میں پڑے رہنے کی عادت نہ ڈالی گئی ہو۔

ماں بننا آسان نہیں بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے اور افسوس ہے بہت کم مائیں اپنے فرض کو بہت اچھی طرح انجام دے سکتی ہیں خوشحال بیویاں انّاؤں یا ماماؤں کے سپرد کرکے غافل ہوجاتی ہیں متوسط الحال بچوں کی پرورش کے آگے دُنیا ہی کو بھول جاتی ہیں مفلوک الحال انکو خود بُری بُری عادتیں سکھادیتی ہیں۔ ہماری رائے میں بچوں کی پرورش کا خون ماؤں کی گردن پر ہے۔ اور ماؤں کو اس قابل نہ بنانیکے مواخذہ میں گرفتار ہونے والے مرد ہیں۔

چڑے چڑیا کی جھوٹی کہانیاں کہنی نہایت قابل اعتراض ہے۔ اگر ضرورت ہو تو ایسی کہانیاں ہرگز نہ سنانی چاہئیں جو اخلاق پر اچھا اثر نہ ڈالیں۔ یہ ماؤں کا کام ہے کہ جس وقت رات کو بچوں کو گلے سے لپٹا کر لیٹیں تو اچھی اچھی باتیں تاریخی واقعات علمی معاملات اُن کے سامنے بیان کریں۔

۴۔ عورت۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ جو لڑکی کوارپنہ ختم کر چکی دلہن بھی بن چکی اُس نے عورت ہونے کی حیثیت سے اپنی زندگی کا مقصد کس طرح پورا کیا۔ ابتک جو کچھ لکھا گیا اس میں ہر عورت کی ذاتی غرض شامل تھی۔ ماں باپ کی خدمت کی تو اُنکی محبت کے معاوضہ میں۔ میاں کو رضامند رکھا تو اپنی غرض کو بچوں کو پالا تو اپنی مامتا۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ اُسنے تمام عمر میں ایسے کتنے کام کئے جن میں اُسکی کوئی اپنی غرض نہ تھی بلکہ محض انسان ہونے کی وجہ سے۔ کتنے حاجتمندوں کو مدد دی۔ کتنے یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا۔ محتاجوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ عام خواتین کو کیا فائدہ پہنچایا۔ اگر کچھ بھی کیا تو انسان کہے جانے کی مستحق نہیں کیونکہ اس کے کام خود غرضی کے ہیں۔ اور اپنا کام جانور بھی انجام دے لیتے ہیں۔ عورت وہی عورت ہے کہ نیک کاموں کا ڈنکا بج رہا ہو۔ کچھ یہی ضرور نہیں کہ وہ دوسروں کے ساتھ روپیہ پیسہ ہی سے سلوک کرے۔ بلکہ جو کچھ بھی کر سکتی ہے کرے۔ پڑوسنیں اسکی دعاگو ہوں۔ اپاہج اس کے شکر گذار۔ معصوم اس کے عاشقِ زار۔ مظلوم اس کے ممنون اور حاجتمند اس کے احسان مند۔

اب ایک سب سے آخر اور سب سے بڑی بات عورت کا مذہبی عقیدہ ہے وہ فانی ہے اسکی زندگی فانی۔ موت برحق ہے یوم الحق یقینی۔ دیکھنا ہے کہ چند روزہ زندگی میں اُس مالکِ حقیقی کی عبادت کتنی کی جس کو آنکھ بند ہوتے ہی حساب کتاب دینا پڑیگا۔ اور جہاں ماں باپ شوہر بچے کوئی بھی کام آنے والا نہیں۔

وبالِ جان

کا مفہوم اُردو میں بھی اور عورتوں کے محاورہ میں بھی ایک ایسی مصیبت ہے جس سے کسی طرح چھٹکارا نہ ہو اور جو زندگی کو آفت اور عمر کو مصیبت بنا دے۔

جو چیزیں انسان کو دنیا میں سب سے زیادہ محبوب و مرغوب ہیں اُن میں سے ایک زندگی بھی ہے۔ وہ چیز جو ایسی لطیف و بیش قیمت شے کو بجائے راحت کے مصیبت بنا دے کیسی مکروہ و بدترین شے ہو گی۔ لیکن یہ شے اگر بیجان نہیں جاندار ہوا انسان ہو تو اس کا یہ فعل کس قدر نفرت حقارت۔ اور کراہیت سے دیکھے جانے کے قابل ہے؟ مذہب نے اور ہر مذہب نے انسان سے یہ توقع کی ہے کہ اسکی زندگی دوسرے انسانوں کے واسطے ایک نمونہ ہو وہ اخلاق کا ایک ایسا مجسّم پتلا ہو کہ کسی انسان کو اسکی شکایت کا موقعہ نہ ملے۔

اِنسان مرد اور عورت دو طبقوں میں تقسیم کیا گیا۔ یہ تفریق تو قدرت کا فعل ہے۔ اور شادی۔ نکاح۔ ترقی تہذیب اور قانون کی یادگار۔ مگر مقصود قدرت اور قانون دونو کا صرف اتنا ہے کہ مرد عورت۔ میاں بیوی دونوں ملکر اپنی زندگی کو اپنے واسطے نعمت اور دوسروں کے لئے راحت بنائیں۔

غلطی یہ ہے وہ عورت جو شادی کے بعد اپنی زندگی کا فرض یہ نہ سمجھے کہ وہ اِس غرض سے پیدا کی گئی ہے کہ شوہر کی سچی رفیق ہونے کے علاوہ اپنی اور اُسکی زندگی قدرت کا ایک انعام بنا دینے کی ذمہ دار ہے۔ اسکا کام

صرف یہ ہی نہیں ہے کہ وہ شوہر سے محبت مروت۔ اور عنایت کی خود تو توقع رکھے اور اپنے اوپر کسی قسم کی خدمت کو واجب نہ سمجھے۔ اس کا کام صرف یہ ہی نہیں ہے کہ وہ ماماؤں یا باورچیوں سے کھانا پکوا دے یا خود بیٹھکر پکا دے بلکہ اس کا کام یہ بھی ہے کہ وہ ذمہ داری پر نگاہ رکھے جو قدرت اور قانون دونو نے اسپر عائد کی ہے۔

شوہر کے واسطے اتنا انتظام کر دینا کہ وہ صبح اٹھکر منہ ہاتھ دہولے کاروبار پر جانے سے پہلے کھانا کھالے۔ بغیر بیوی کے بھی ممکن ہے۔ اور جو شوہر پردیس میں تنہا رہتے ہیں وہ بھی بھوکے نہیں مرتے۔ اس لئے بیوی کے ہونے کا شوہر کو وہ فائدہ پہونچنا چاہیئے جو بغیر بیوی کے ممکن نہیں۔ اسکی زندگی کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ جتنی دیر شوہر اسکے پاس موجود رہے اس کے دماغ میں بھی پریشان کرنے والا خیال نہ پھٹکنے پائے۔ بیوی کا کوئی قول کوئی فعل گھر کا کوئی حصہ۔ کوئی کونہ۔ گھر والوں کی کوئی بات کوئی چیز اس کے رنج کا باعث نہ ہو۔ اسکو اگر مرنے کے بعد جنت کے ملنے کی توقع ہے تو بیوی اور بیوی کا گھر جیتے جی اُس کے لیے جنت ہو جاتے جب ایک عورت کی زندگی کا ماحصل یہ ٹھیرا کہ وہ شوہر کو مغموم نہ ہونے دے۔ تو کوئی عذر نہیں ہوسکتا۔ وہ اگر یقین کے ساتھ اسپر عمل بھی کرے تو یقیناً وہ شوہر کے واسطے ایک نعمت اور دنیا کے لیئے ایک مثال ہوگی۔

اکثر بیویوں کو یہ کہتے سُنا ہے کہ جب تک چھڑے تھے بال بچہ نہ تھا خدمت کری۔ اب بس رہیں ہی رہیں سے چھٹکارا نہیں۔ جو میاں کی اطاعت کریں۔ گھر کی درستی سے ان کو واسطہ نہیں۔ شوہر کے آرام و آسائش کا لحاظ کرنے کی انہیں فرصت نہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا گھر آیا تو کیا دیکھتا ہے گھر میں کتے لوٹ رہے

ہیں۔ بچھونوں پر مکھیاں بھنک رہی ہیں۔ بیوی ہیں کہ سر جھاڑ منہ پہاڑ، ننھے کو کندھے سے لگائے اللہ اللہ کر رہی ہیں۔ اور توقع یہ ہے کہ آپ ہیں تھک گئی، تھوڑی دیر یہ لے کر ٹہلیں۔ تو اب یہ بچے باپ کو مصیبت اور یہ بیوی میاں کو وبالِ جان نہ ہو تو تعجب ہے۔

بچوں کی پرورش کے یہ معنی نہیں ہیں کہ بیوی شوہر کے فرائض سے ہی سبکدوش ہو جائے۔ بلکہ وہ جن دو اہم فرضوں کے انجام دینے کے واسطے پیدا کی گئی تھی یہ اُس کا فرض شروع ہوا۔ اگر وہ اس فرض کو اس طرح پورا کرے کہ پہلا غارت ہو جائے تو اُس نے گویا مغرب کی قضا کی اور عشاء کی پڑھ لی۔

یقیناً وہ بیویاں جنہوں نے خواہ بچوں کی پرورش یا اپنی مصلحت خود رائی اور ضد سے شوہروں کی زندگی تلخ کر دی ہے دنیا میں شوہروں کے واسطے وبالِ جان ہیں۔

عورت کی عارضی خوشی

صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آجائے تو اُسے بھولا نہیں کہتے۔ انسان اگر کسی غلطی کا مرتکب ہوا اور اُس کو غلطی سمجھکر آیندہ کے واسطے احتیاط کرے تو اُسکی غلطی بہت اچھی غلطی ہے۔ چنانچہ ہمارے مذہب مقدس کا یہ فیصلہ ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اُس نے گناہ کیا ہی نہیں لیکن افسوس کے قابل ہے وہ شخص جو غلطی کرے اور اُس پر اصرار کرے۔ گناہ کرتا ہوا اور اُس کو ثواب خیال کرے۔ اور پرہیز نہ کرے۔ اسی طرح سے حد سے زیادہ افسوس کے لائق ہے۔ وہ قوم جو باوجود کانوں سے سُننے اور آنکھوں سے دیکھ لینے کے کہ ہماری بربادی کا سبب ہماری رسوم ہیں، اُن سے باز نہ آئی۔ ہم ایک دو نہیں بیسیوں گھروں کو ان کم بخت رسموں اور عارضی خوشیوں کی بدولت تباہ ہوتے دیکھ چکے ہیں اور دیکھ رہے ہیں مگر مطلق ہم پر اثر نہیں ہوتا۔ خوشی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک تو وہ جو خدا کی طرف سے ہو یا دوسرے الفاظ میں یوں سمجھو کہ ان اسباب اور حالات سے پیدا ہو جو ہمارے گردوپیش ہیں۔ اور ایک خوشی وہ ہے جو زبردستی پیدا کی جائے۔ اس میں شک نہیں کہ ہر شخص کو چونکہ دنیا میں خوش رہنے کا حق حاصل ہے۔ اور اُس کو چاہیئے کہ خوش رہے۔ اِس لئے اگر وہ بغیر کسی دوسرے کو نقصان پہونچائے خوشی پیدا کر سکتا ہے تو گنہگار نہیں۔ لیکن یہ پیدا کی ہوئی خوشی اول تو اتنی پائیدار اور اس قدر مستقل

نہیں ہو گی جس قدر قدرتی۔ دوسرے اس کا کوئی نہ کوئی پہلو کسی نہ کسی بحث میں آکر یقیناً مذموم ہو جاتا ہے۔ فرض کیجئے ایک شخص شادی کرتا ہے، اس کو اس سے خوشی ہوتی ہے جائز ہے۔ اب اس کے ہاں اولاد کا وقت آتا ہے۔ اور لڑکا پیدا ہوتا ہے، اس لئے کہ لڑکی نہیں ہوئی۔ لڑکا ہوا۔ وہ بیحد خوش ہے۔ ہم اسکی اس خوشی کو بھی جائز تسلیم کر لیتے ہیں۔ لیکن اب اس لڑکے کی ولادت میں جو خوشی میسر ہوئی اس کو وہ بڑھاتا ہے۔ اور اس میں تھوڑی سی عارضی خوشی شریک کرتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ بچہ کا عقیقہ کرتا ہے۔ چھٹی کرتا ہے۔ اور دھوم دھام سے شادی رچاکر تمام عزیز و اقارب اور مہمان جمع کرتا ہے۔ اور تھوڑی دیر کے واسطے اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا۔ اب اس کی دو حالتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو روپیہ اس نے صرف کیا وہ آسانی سے کرسکتا تھا اور دوسری یہ کہ جو کچھ اس نے صرف کیا وہ قرض لے کر کیا۔ پہلی حالت میں وہ کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہوا۔ اس کے پاس روپیہ تھا اُس کو صرف کا اختیار تھا۔ وہ مجاز تھا کہ اس کو جہاں جی چاہے اور جدھر مناسب سمجھے خرچ کرے۔ اُس نے ایک ایسی چیز کو خرچ کرکے جو اسکی ملکیت تھی ایک عارضی خوشی پیدا کرلی وہ بظاہر قابل الزام نہیں۔ اور کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس کے اس فعل کا جواب طلب کرے یا بُرا کہے۔ لیکن قوم کو یہ کہنے کا حق ہے کہ جس طرح صرف کرنے والے کے دل کا اسپر حق تھا کہ وہ عارضی خوشی پیدا کرے اسیطرح اسپر کچھ قوم کا بھی حق ہے۔ اور ضرورت تھی کہ اس سلسلہ میں وہ اس حق کو بھی ملحوظ رکھتا۔

دوسری صورت وہ ہے کہ اس نے قرض لیکر یہ خوشی پیدا کی۔ یہ نہایت جگر خراش خوشی ہے جس کا اثر اس کے ساتھ دماغ پر خوشی کے ساتھ برابر بڑھ

رہا تھا۔ اور جس نے خوشی کا بھی پورا لطف نہ اُٹھانے دیا۔ باوجود اس خوشی کے میسر آجانے کے وہ زحمت جو روپیہ قرض لینے میں اُٹھانی پڑی اس کے پیش نظر تھی۔ مگر وہ خوشی اور زحمت جب دونوں دماغ سے فراموش ہوگئیں تو ایک تیسری کیفیت سامنے آئی، اور وہ قرض خواہ کا تقاضہ ہے جس نے زندگی کی ان خوشیوں کو بھی جو حقیقی طور پر میسر آئیں باطل کر دیا۔ یعنی جس وقت دوسرا لڑکا پیدا ہوا تو وہ اصلی خوشی بھی مفقود ہوگئی۔ اور اس نقصان کی تمام ذمہ داری اسکی اپنی ذات پر ہے۔ نہ وہ اس فعل کا مرتکب ہوتا نہ حقیقی خوشی کو ہاتھ سے کھوتا۔

مرد اس قسم کی غلطی کم کرتے ہیں۔ اور اگر کرتے بھی ہیں تو عورتوں کی تحریک سے اس لئے ان رسموں کی تکمیل ہو یا عارضی خوشی کی پیدائش اس کا تمام بوجھ عورت کی گردن پر ہے۔ ہر عورت اور ہر گھر والی کا ایسی حالت میں فرض ہے کہ وہ ان لوگوں کو دیکھ کر جو اس عارضی خوشی کی بدولت برباد ہوتے۔ ان واقعات کو سنکر جنہوں نے رسموں کی تکمیل کے طفیل زندگی کو دوزخ بنا دیا۔ ٹھنڈے دل سے غور کرے کہ جو رسم وہ پوری کر رہی ہے اور جو خوشی وہ پیدا کر رہی ہے اُس کا کیا انجام ہوگا؟

عورت کا سلیقہ

"ڈھاک تلے کی پھوہڑ اور پھوہڑ تلے کی سگھڑ" ہے تو مثل پرانی مگر ایسی جانچ تول کر کہی ہو کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ کتنی سچی بات ہے جو ہنڈیا میں ہوگا وہی ڈوئی میں نکلے گا۔ جب ہنڈیا ہی میں گنا چنا۔ نپا تلا ہوگا تو پکانے والا کیا کارستانی کرے گا۔ اور نکالنے والا کیا کرامات کر دکھائے گا۔ وہ بیوی جس کو نہ گھر کے انتظام میں دخل اور نہ خرچ سے آشنا۔ آٹا، گھی۔ گوشت، تیل، ایندھن، جو میاں نے ہاتھ اٹھا کر دے دیا لے لیا اور تعمیل کر دی۔ بچا نگی کیا خاک اور رکھے گی کیا دھول۔ نیئے کی چھٹی ہیں سے کترے یا قصائی کے پرچے میں سے پھاڑے۔ وہ تو آپ ہی سو پھوہڑوں کی پھوہڑ ہوگی۔ جب دیکھو ڈھاک کے تین پات۔ غنیمت ہو کہ یہ طرز معاشرت روز بروز بدلتا جاتا ہے۔ اور اب وہ وقت ہے کہ بیویاں پھوہڑ تلے کی سگھڑ بن کر دکھائیں۔ ساس نندوں کی دست نگر نہ میاں کی محتاج۔ پوری تنخواہ کی مالک اور سیاہ و سفید کی ذمہ دار۔ اگر اس پر بھی سلیقہ اور سگھڑاپا نہ دکھایا تو وہ مٹی کا تھوا آٹے کی آپا پتھر کی طرح گھر میں ہوئیں تو اور نہ ہوئیں تو دونوں یکساں۔

چند خاص خاص گھرانوں کو چھوڑ کر عام طور سے بیویوں کی قدر و منزلت زیادہ اور ان کے اختیار روز بروز وسیع ہوتے ہیں۔ وہ چار دیواری کے اندر اپنے گھر کی بادشاہ ہیں۔ ان کو اختیار ہے کہ وہ ایک وقت کے کھانے پر دس روپے اٹھا دیں یا ایک دھیلہ صرف

کریں۔ اُنکی خوشی پر منحصر ہو کہ وہ آپ اور بچے چکن اور تن زیب پہنیں یا ململ اور نین سکھ۔ اُن کو کوئی روکنے ٹوکنے والا کہنے سننے والا نہیں۔ ان تمام اختیارات پر وہ شخص جو اپنے گاڑھے پسینہ کی کمائی دن رات ٹخ ٹخ کرکے پھر کے پھر اکے تکلیف و مصیبت اُٹھا کے لا کر اُن کے ہاتھ میں دے رہا ہو۔ اگر اس بات کا متوقع ہے کہ وقت بے وقت کے واسطے بیوی کچھ پس انداز بھی کرتی جائے تو کیا بیجا ہے۔

اس کو مہوّے تلے کی سُگھڑ کہو یا عورت کا سلیقہ کہ وہ خدا کا فرض ادا کر لینے کے بعد سب سے پہلے اس فرض کو ادا کرے کہ گھر کی ظاہری حالت خاوند کی حیثیت کے موافق ہو جائے۔ جھاڑو بُہارو صاف سُتھرے بچھونے۔ اُجلا اور ثابت فرش۔ ایسا نہ ہو کہ اگر کوئی ملنے والا یا رشتہ دار مرد یا عورت آنکلا تو گھر کی خاک اُڑ رہی ہے۔ اِس کے بعد اپنے اور بچوّں کے لباس کی درستی ہو۔ یہ نہ ہو کہ ڈیڑھ دو سو روپے کے تنخواہ دار کی بیوی پھٹا ہوا دوپٹہ اور بچےّ کھلے جوتیاں پہنے پھر رہے ہیں۔ پھر کھانے پکانے کے برتن پانی کے مٹکے ٹھلیاں ہیں۔ برتن دھوتے دُھلائے۔ مٹکے صاف اُجلے۔ غرض گھر کی تمام چیزیں ڈھنگ سے رکھّی قرینے سے دھری۔ مختصر یہ کہ کوئی کسر ایسی نہ رہ جائے جس سے گھر کی حیثیت اور خاوند کی عزت پر حرف آتا ہو۔ اسکے ساتھ ہی سب سے بڑی چیز جو لازمی اور ضروری ہے وہ کچھ نہ کچھ بچانا اور جمع کرنا ہو۔

یہ ماں باپوں کا کام ہو کہ وہ لڑکیوں کو کوارپنے ہی میں اِس قسم کی تعلیم دیں۔ اور اس سے پہلے کہ اُن پر خانہ داری کا بوجھ آکر پڑے اِس قابل بنادیں کہ وہ خاوند کی کمائی ہاتھ میں لیکر اُسکی حیثیت اور عزت کے موافق گھر بھی چلائیں اور پس انداز بھی کریں۔

"چڑا لایا دال کا دانہ چڑیا لائی چاول کا دانہ دونوں نے مل کر کھچڑی پکائی" اس کا مطلب یہی ہے کہ خاوند کی آمدنی بیوی کا سلیقہ دونوں کی محنت سے گھر چلا۔

کسی بیوی کے سُگھڑ ہونے کے واسطے صرف یہ ہی ضروری نہیں ہے کہ ہاتھ پاؤں صاف اُس کا لباس درست اور وہ خود بنی ٹھنی ہو۔ بلکہ اس کے سُگھڑاپے کی تحقیقات کے واسطے ہم کو اسکی اندرونی حالت پر بھی غور کرنا ہوگا۔ ہم کو سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ مکان جس میں وہ رہتی ہے یا مکان کا وہ حصہ جو اس کے سپرد ہے کس طرح آراستہ کیا گیا ہے۔ اس میں کچھ امیری غریبی سے بحث نہیں ہے جس طرح دولت مند عورت اپنے گھر کو ہر قسم کے اسباب اور میز کرسیوں سے آراستہ کر سکتی ہے۔ اسی طرح غریب لڑکی اپنا گھر سفید چاندنی سے خواہ اس میں پیوند ہی کیوں نہ ہو ٹھیک کر سکتی ہے۔ وہ اپنی اُجلی چاندنی پر جھاڑو دیکر یہ کر سکتی ہے کہ کوئی سلوٹ یا تنکا موجود نہ ہو۔ اس کے گھر میں کوڑے کرکٹ کا ڈھیر نہ ہو۔ اس کے برتن سنے سناتے اُدھر اُدھر جھک نہ مار رہے ہوں۔ اس کے کپڑے خواہ وہ معمولی ہی کیوں نہ ہوں برباد نہ ہو رہے ہوں۔ پانی کا انتظام ایسا ناقص اور خراب نہ ہو کہ بچے بھاگے بھاگے آتے غڑپ سے مٹکے میں آبخورہ ڈالا اور پی پلا کر آبخورہ پھینک چلتے ہوتے۔ باورچی خانہ کے پاس آٹے کے کونڈے میں مکھیاں نہ بھنک رہی ہوں۔ غرض سُگھڑاپے کے واسطے کچھ روپیہ کی کمی بیشی کا فرق نہیں ہے۔ بلکہ طبیعت کی صفائی اور مزاج کی نفاست ہے۔

میں نے اسی ہفتہ میں اپنی ایک سہیلی کو دیکھا۔ یہ بیچاری غریب آدمی ہیں۔ ان کے سرتاج بیس روپے ماہوار کے نوکر ہیں۔ ان کے پانچ بچے اور ایک بڑھیا ساس آنکھوں سے اندھی ہیں۔ گھر معمولی ہے جس کا کرایہ تین روپے ماہوار ہے۔ مگر مجھ کو ان کا گھر دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ ایک اُجلی چاندنی جس پر گاؤ تکیہ لگا ہوا تھا اندر کے دالان میں بچھی ہوئی تھی۔ جہاں بھولے سے بھی تنکے کا گذر نہ تھا۔ چھتوں میں کسی قسم کا جالا نہ تھا۔ دیواروں پر دھبے نہ تھے۔ پاندان تھا تو چھوٹا۔ مگر اُجلا قلعی دار۔ جس میں ڈبیاں کلبیاں سب قرینہ سے لگی ہوئی تھیں۔ پانی نہایت احتیاط سے رکھا ہوا تھا۔ مٹکے صاف مُنہ پہ چپنیاں رکھی ہوئی۔ صافیاں بندھی ہوئی، قلعی دار کٹورہ آب خورہ رکھا ہوا۔

مجھکو یہ چھوٹا سا گھر بہت ہی اچھا معلوم ہوا۔ اور میں اپنی اس سہیلی کے سگھڑاپے کو دیکھکر بہت ہی خوش ہوئی۔ بچوں کو بھی میں نے بہت ہی اچھی حالت میں دیکھا۔ سیدھے سادھے تمیزدار۔ کیا مجال جو ایک بات بھی شام تک میرے سامنے بدتمیزی کی ہو۔ میرا خیال یہ تھا کہ بیچاری غریب بیویاں جن کو پوری طرح ضرورتیں رفع کرنے کو بھی روپیہ نصیب نہیں کس طرح اپنے گھر کو درست کر سکتی ہیں۔ مگر یہ گھر دیکھ کر میں کہہ سکتی ہوں کہ ہر عورت خواہ وہ کتنی ہی غریب کیوں نہ ہو اپنا سگھڑاپا ظاہر کر سکتی ہے۔ اور یہی ہے وہ چیز جس پہ ہزاروں لاکھوں روپیہ قربان!

سلیقہ شعاری

عورت کی کامیابی کا سب سے بڑا راز اُس کے میاں کی محبت ہے۔ اور اس محبت میں جو چیزیں چھپی ہوئی ہیں اُن میں ایک سلیقہ بھی ہے۔ بعض لڑکیاں ابتدائی حالت میں شوہر کی محبت کو جو محض چار دن کی چاندنی ہوتی ہے مستقل سمجھ کر اپنے فرائض سے غافل ہو جاتی ہیں۔ اگر پڑھی لکھی لڑکیاں ایسا کریں تو نہایت تعجب اور سخت افسوس کا مقام ہے۔ ان کو ہرگز اس حالت کا یقین نہ کرنا چاہیئے بلکہ یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ شوہر کی یہ عارضی محبت مستقل اور پائدار صورت اختیار کرے۔ اس کوشش کے لئے منجملہ اور باتوں کے ایک سلیقہ شعاری بھی ہے۔ پھوہڑ بیوی لاکھ کوشش کرے وہ اپنے مقصد میں مشکل سے کامیاب ہوگی، مگر سگھڑ بیوی کی کامیابی یقینی نہیں تو یقین کے قریب ہے۔ اس کا سگھڑاپا اوپر ہی اوپر جانے والا نہیں۔ اس کی ہر کوشش اس کی ہر محنت ظاہر میں رائیگاں جاتے گی مگر اندر ہی اندر شوہر کے دل میں گھر کرے گی۔ اور اگر وہ اس اصول پر ثابت قدم رہی تو وقت ضرور آئے گا کہ اس کے بیج ایک ایک روز پھل لائیں۔ اگر ایک شوہر دن بھر کا تھکا ماندا شام کو گھر آتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ بیوی گو حسین ہے مگر سر جھاڑ منہ پہاڑ کاٹ کھانے کو تیار ہے تو اس کے تمام ارمانوں کا خون ہو جاتا ہے۔ آگے بڑھ کے دیکھتا ہے تو گھر میں کتے لوٹ رہے ہیں۔ رہی سہی اُمیدوں کا بھی

خاتمہ ہوتا ہے۔ مگر ایک بد دماغ شوہر یہ دیکھتا ہے کہ وہ جس عمر بھر کی ساتھی کی قدر نہیں کرتا وہ اس کے استقبال کے لئے دروازہ پر کھڑی ہے۔ ضرورت کے تمام سامانوں کا انتظام کر چکی ہے تو اس کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ وہ لاکھ گھر سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے مگر گھر کی ہر چیز جو سلیقہ سے سجائی گئی ہے اس کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سلیقہ شعاری نفرت کو محبّت سے بدل دیتی ہے۔

شوہر کی محبّت حاصل کرنا عورت کی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی ہے اور شوہر کی حقیقی محبّت حاصل کرنے میں سلیقہ شعاری سب سے بڑی مددگار ثابت ہوتی ہے۔

سُگھڑ کی جھاڑو پھوہڑ کا بچّہ

قریب قریب سب ہی لڑکیوں نے بڑی بوڑھیوں کی زبان سے سُنا ہوگا کہ "سُگھڑ کی جھاڑو نہ دے پھوہڑ کا بچّہ نہ کھلائے"۔ آؤ آج اِس مثل پر اچھی طرح سے غور کریں اور دیکھیں کہ اس کا اصلی مطلب کیا ہے۔

سگھڑ کی جھاڑو مشہور ہے۔ جھاڑو دے گی تو گھر جنت کر دے گی۔ مجال نہیں جو اِدھر اُدھر ایک تنکا تک یا فرش میں سلوٹ تک رہ جائے۔ برخلاف اس کے پھوہڑ جھاڑو دے گی تو دو چار ہاتھ مار الگ کرے گی۔

کہیں بچھونا سکڑ رہا ہے۔ کہیں جھاڑ کارہ گیا۔

ظاہر ہے کہ سُگھڑ کی سمجھ میں دوسرے کی جھاڑو مشکل سے آئے گی۔ جب تک اُس ہی جیسی یا اُس سے بہتر نہ ہو اُس کا اطمینان نہ ہوگا۔ اس لئے سُگھڑ کی جھاڑو دینی آسان کام نہیں۔ خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ جھاڑو دینے کے یہ معنے نہیں ہیں کہ جھاڑو لی اور اُس سرے سے اس سرے تک پھیر دی۔ بلکہ فرش کی صورت تبدیل ہو جائے۔ اس کا نام جھاڑو نہیں ہے کہ فرش خاک میں اَٹ رہا ہے دو جھٹکے لگا چُھدّا اُتار دیا۔ کواری بیٹیاں جن کو ساس نندوں سے پالا پڑنا ہے اس مثل کو اچھی طرح سُن لیں اور سمجھ لیں۔

پھوہڑ کا بچّہ۔ کیسا ہی خوبصورت کتنا ہی پیارا کیوں نہ ہو۔ مگر جب کھُو گے ناک بہہ رہی ہے۔ چیپڑ لگ رہے ہیں۔ خاک میں بھرا کیچڑ میں لتھڑا۔ بدتمیز بے ادب شکل صورت کا کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو مگر دل تو لینے ہی کو جی نہ چاہیگا اور اگر شرما شرمی کسی وقت ضرورت بھی پڑی یا جی بھی چاہا تو پیشاب کر دینے میں اسے باک نہیں۔ کاٹ کھانے میں اسے عذر نہیں۔ غرض لباس کے خراب ہونے کا اندیشہ اس سے تکلیف پہونچنے کا احتمال اس سے اسی واسطے کہا ہے خدا سمجھ دے تو

"سُگھڑ کی جھاڑو نہ دے پھوہڑ کا بچّہ نہ کھلائے"

دونوں میں ذلت اور تکلیف کا خوف ہے۔ بچّے والیاں اس مثل کے پچھلے حصّہ پر غور کریں اور بچّوں کو ایسی تمیز سے اُٹھائیں کہ دوسروں کا جی دیکھکر خوش ہو اور خواہ مخواہ لینے کو دل چاہے۔ اگر روز پیدائش ہی سے بچّہ کو اشارہ سکھایا جائے تو وہ عادی ہو جائے گا۔ اور لینے والے کے کپڑے خراب نہ ہوں گے۔

بے جا استعمال

کسی چیز کا ناجائز استعمال کرنا بے وقوفی کے علاوہ سخت پھوڑپن ہے۔ اگر کسی پھوہڑ لڑکی کو دیکھنا چاہو تو اس گھر کو دیکھ لو جہاں چیزوں کا غلط استعمال ہو رہا ہو۔

پھوہڑ یا سگھڑ لڑکیوں کے نام نہیں ہیں۔ ہر لڑکی اپنی عادت سے پھوہڑ اور سگھڑ لڑکی ہو سکتی ہے۔ سگھڑ لڑکی کے ہاں ہم کو ہر چیز قرینے سے رکھی سلیقہ سے سجی سجائی دکھائی دیتی ہے۔ مگر پھوہڑ کے ہاں جو چیز دکھائی دیگی وہ بے ڈھنگی اور تتر بتر۔ وہاں ہم کو کھانے کی پتیلی میں رنگ گھلا ہوا دکھائی دیگا اور گھی کے کنستر میں بچے کا سیپارہ۔ کوئی چیز مشکل سے ایسی نظر آئے گی جس کا جائز استعمال ہو رہا ہو۔ کہیں پان مٹکوں پہ نظر آئیں گے۔ کہیں چھالیہ طاق ہیں۔ تیل کی بوتل ترازو میں ہوگی۔ اور چھپر کھٹ کا پردہ خاک مٹی میں۔ یہ ظاہر ہے کہ پھوہڑ لڑکیاں ان باتوں سے سگھڑ نہیں ہو سکتیں۔ مگر وہ اسی بات کی احتیاط کریں کہ جو چیزیں استعمال کی ہوں وہ اگر اُسی میں استعمال کریں تو بھی گھر کی کچھ نہ کچھ صلاح ہو سکتی ہے۔

لاپروائی

یوں تو بہت سی ایسی خراب عادتیں ہیں جن سے بچنا لڑکیوں کے واسطے نہایت ضروری ہے۔ مگر ان سب عادتوں کی سرتاج اور برائیوں کی جڑ لاپروائی ہے جس نے ایک دو نہیں سینکڑوں لڑکیوں کی زندگیاں تلخ اور عمریں برباد کر دیں۔ شروع شروع میں خود اس خراب عادت سے لاپروائی کرنا آخر کار اس کو اتنا مضبوط اور پختہ کر دیتا ہے کہ پھر کسی کے چھڑائے یہ عادت نہیں چھٹتی اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک اچھی زندگی جس سے دنیا کو بہت سی امیدیں ہوتی ہیں اس ظالم عادت کا شکار ہو جاتی ہے۔

عورت کی زندگی کا یہ ایک فرض ہے کہ وہ معمولی سے معمولی کام کو بھی معمولی نہ سمجھے۔ بلکہ ہر کام کو خواہ وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو پوری توجہ سے انجام دے۔ اور ہر معاملہ میں خواہ وہ کیسا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اچھی طرح سوچ سمجھ کر کام کرے۔

فرض کرو ایک لڑکی کو کسی شادی میں شریک ہونا ہے۔ اس نے خوشی خوشی اپنے کپڑے بدلے اور اپنے میلے کپڑے لاپروائی سے ادھر ادھر پھینک دئے تو اس لاپروائی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک آدھ کپڑا یا تو کھو یا جائے گا۔ یا ایسا برباد ہوگا کہ پھر استعمال کے قابل نہ رہے۔ اسی طرح اگر وہ کھانا پکا رہی ہے اور اس نے لاپروائی سے نمک سالن میں ڈال دیا

اور وہ زیادہ ہوگیا، تو انجام یہ نکلا کہ وہ زہر ہوگیا۔ پکا پکایا کھانا برباد ہوا۔
لگی لگائی قیمت خاک میں ملی۔ گھر والوں کو تکلیف ہوئی وہ الگ۔ اور
بے پروا کی مٹی پلید ہوئی وہ جدا۔

لاپروائی جو آخر کار بے حیائی ہوجاتی ہے وہ کمبخت مرض ہے۔
جس کا مریض مشکل سے صحت یاب ہوتا ہے، اور بالآخر دوسرے لوگ بھی
اُسکی طرف سے مایوس ہوکر اس کو اُسی کی حالت پر چھوڑ دیتے ہیں۔

لڑکیوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کی زندگی کاہلی اور لاپروائی
کے واسطے نہیں ہے، بلکہ محنت اور توجہ کے لئے۔ اُن کو ہر کام پوری محنت
اور نہایت توجہ سے کرنا چاہیئے اور کسی کام کو ہرگز لاپروائی سے نہ کرنا چاہیئے۔
ورنہ ان کی زندگی فضول اور اُن کی دُنیا برباد ہوجائے گی۔

خانہ داری کا بجٹ

مسلمانوں میں عام طور پر خانہ داری کا انتظام عورت کے سپرد ہوتا ہے۔
بعض جگہ ایک مقررہ رقم دے دی جاتی ہے۔ بعض گھروں میں شوہر کی تمام تنخواہ
اُس کے ہاتھ میں آتی ہے۔ اور بعض گھر ایسے بھی ہیں جہاں جنس وغیرہ بھروا دی
جاتی ہے اور روزمرہ کی ضروری چیزوں کے لئے نقد روپیہ دے دیا جاتا ہے۔
لیکن ہمارے علم میں وہ شوہر بھی ہیں جن کی بیویاں صرف کھانا پکانے کی نوکر ہیں
اور ان کو نقد سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس لئے یہ آخری شق کی عورتیں ہمارے
مضمون سے بالکل باہر ہیں۔ ہم صرف اُن بیویوں سے مخاطب ہیں جن کو
اپنے شوہروں کی آمدنی خرچ کرنی پڑتی ہے یا خرچ کرتی ہیں۔ اُن کو سب سے
پہلے یہ غور کرنا چاہیئے کہ جو روپیہ اُن کے ہاتھ میں آیا ہے وہ کس محنت اور مصیبت
سے کمایا گیا ہے۔ اگر یہ روپیہ ملازمت کا ہے تو اُن کو یقین کرنا چاہیئے کہ مہینہ
بھر تک یا مہینہ بھر میں افسروں کی تیوری کے بہت سے بل دیکھے ہیں۔ کچھ باتیں بھی
سنی ہیں اور وہ ایسے ہی نوکر تھے یا ہیں جیسے ہمارے اپنے نوکر یا ماما ہیں۔ جو ماما مہینہ
بھر میں محنت کر کے ہم سے سات دس روپے لے جاتی ہے۔ اور اس رقم کے عوض
اپنی آزادی بیچ کر ہماری پابند اور غلام ہے۔ اس میں اور ہمارے شوہر میں کچھ
فرق نہیں۔ پس جو روپیہ کہ آزادی کھو کر حاصل کیا گیا ہے۔ وہ اتنا قیمتی ہے کہ
ہم اس کو بلا اشد ضرورت کے صرف نہ کریں۔ اس کے بعد یہ غور کرنے کی ضرورت

ہے کہ روپیہ عزت کے قائم رکھنے کے واسطے موجودہ زمانہ میں سب سے بڑی چیز ہے۔ جس شخص کا بھرم بنا ہوا ہے وہ مفلس بھی ہے تو سو امیروں کا امیر ہے اور اگر بھرم نہیں ہے تو کتنا ہی امیر ہو سو فقیروں کا فقیر ہے۔ اِس لیے ہر عورت کو وقت بے وقت کے واسطے کچھ روپیہ اپنے واسطے رکھنا نہایت لازمی اور ضروری ہے۔ اور اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ خرچ آمدنی سے کم رکھا جائے۔ اور یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم کو اسی آمدنی میں تمام اخراجات پورے کرنے ہیں۔ فضول خرچ آدمی کا جو حشر ہوتا ہے وہ سب جانتے ہیں۔ اور ہر عورت کا جو بیوی کی حیثیت سے خانہ داری کے فرائض انجام دے رہی ہے۔ پہلا فرض یہ ہے۔ کہ وہ اپنی آمدنی کا ایک بجٹ بنائے اور ہر مد کا علیحدہ علیحدہ حساب رکھے۔ اگر خرچ آمدنی سے کم ہوگا تو کبھی مالی دقتیں پریشان نہ کرینگی۔

بے قاعدہ خرچ

مسلمان گھروں میں عام طور پر خرچ وغیرہ کا انتظام عورت کے سپرد ہوتا ہے۔ مرد کا کام یہ ہوتا ہے کہ اُس نے اپنی آمدنی لاکر بیوی کو دیدی۔ اور بیوی کا کام یہ کہ اس نے روپیہ کو ضرورتوں میں پورا کر دیا۔ مگر بعض گھروں میں جہاں بیویاں اپنے گھر کا باقاعدہ مقررہ خرچ نہیں رکھتیں اکثر پریشان دیکھی ہیں۔ اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ نہ تو خرچ کے وقت یہ خیال کرتی ہیں کہ اُن کی آمدنی میں اس خرچ کی گنجائش ہے یا نہیں اور نہ یہ سمجھتی ہیں کہ باقی خرچوں کو باقی آمدنی بآسانی کافی ہوگی کہ نہیں۔

فرض کرو کہ ایک گھر میں سو روپیہ ماہوار کی آمدنی ہے۔ اب اگر اس گھر میں کوئی باقاعدہ اور باضابطہ حساب کتاب نہیں ہے تو یہ سو روپیہ بجائے تیس دن کے پچیس ہی دن میں ختم ہو جائیں گے۔ اور باقی پانچ دن سخت پریشانی میں گزریں گے۔ لیکن دوسری طرف جس بیوی نے اپنے سو روپیہ کا ایک باقاعدہ بجٹ مقرر کر رکھا ہے وہ ان سو روپوں کو تیس دن میں پورا کرے گی۔ اس نے گھر کی تمام ضرورتوں کا ایک وزن مقرر کر لیا ہے۔ اور اس کے صرف کا اندازہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی مد میں اندازہ سے زیادہ صرف نہیں کرتی اور پریشانی سے محفوظ رہتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ پندرہ روپے کا گھی ایک مہینہ میں صرف ہوگا۔ یہ وہ تنخواہ ملتے ہی منگوا لیتی ہے۔ اور سارا مہینہ اطمینان سے گزر جاتا ہے۔

اسی طرح اور تمام ضرورتوں کا اہتمام ہے۔ کہ ہر ضرورت کا حساب اور ضابطہ موجود ہو تو ہرگز پریشانی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ کچھ نہ کچھ پس انداز ہو سکتا ہے۔ جو ہر معقول بیوی کو کرنا چاہیئے۔ جن گھروں میں مرد خود خرچ اُٹھاتے ہیں (جو شریف گھروں میں کم ہیں) وہاں عورت ذمہ دار نہیں۔ مگر جہاں خرچ وہ اُٹھا رہی ہے وہاں خرچ کی پریشانی کا بار مرد پر ڈالنا سخت جرم اور ناقابلِ معافی گناہ ہے۔

یہ کہہ دینا کہ خرچ آمدنی سے زیادہ ہے بہت ہی لغو ہے۔ خرچ کرنے والے وہی تو ہیں جو آمدنی سے واقف ہیں۔ پھر خرچ کیوں نہیں کم ہوتا۔ وہ مہین کی بجائے موٹا پہنیں۔ مرغن کے بدلے اوبالا کھائیں تو کیوں خرچ آمدنی سے زیادہ ہو۔ مہینہ کا ایک بجٹ تیار کریں کہ گھی۔ آٹا۔ دال۔ کپڑا۔ جوتی وغیرہ میں اُن کو اِس قدر صرف کرنا ہے۔ اس کا باقاعدہ حساب رکھیں۔ اور کسی مد میں ایک پیسہ زیادہ نہ صرف کریں تو یقیناً کوئی مشکل نہ ہوگی۔ اور اگر ہر طرح بے قاعدگی ہو گی۔ حساب کتاب خاک نہ ہوگا۔ تنخواہ آئی اور بغیر سوچے سمجھے صرف کرنا شروع کر دیا تو پریشانی اور مصیبت ظاہر ہے۔

خرچ کا حساب محفوظ رکھنے میں ایک فائدہ یہ ہے کہ اگر شوہر کسی وقت اعتراض کرے تو اُس کو دکھا سکتے ہیں کہ یہ ایک ایک پیسہ کا حساب موجود ہے۔ اور اگر خود ضرورت ہو تو آپ بھی دیکھ کر اطمینان کر سکتے ہیں کہ یہ روپیہ کس طرح اور کہاں صرف ہوا۔

میری ایک عزیز بہن ایک دفعہ کئی گھنٹے اسی سلسلہ میں پریشان رہیں اُنہوں نے دس روپے شوہر ہی کو دیئے، مگر دے کر بھول گئیں۔ اور جب دونوں میاں بیوی حساب کرتے بیٹھے تو وہ دس روپے یاد نہ آئے اور بہت سٹ پٹائیں ہر چند سوچا مگر یاد نہ آیا۔ اگر وہ باقاعدہ حساب رکھتیں اور دینے سے پہلے قلمبند

کر لیتیں تو یقیناً ان کو پریشانی نہ ہوتی۔ معقول اور غیر معقول آدمی صرف اپنے کاموں سے ہوتا ہے۔ ورنہ معقولیت کسی کے منہ پر نہیں لکھی ہوتی۔ غیر معقول آدمیوں میں یہی فرق ہوتا ہے کہ معقول اپنی معقولیت سے کام لیتا ہے غیر معقول نہیں لے سکتا۔ جو بیوی بے قاعدہ خرچ اٹھا رہی ہے وہ دیکھ سکتی ہے کہ جن کو وہ غیر معقول سمجھتی ہے وہ بھی اسی طرح روپیہ صرف کر رہے ہیں۔ اور اس کا کوئی حساب نہیں رکھتے۔

اِن چند سطور کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہر بیوی جو گھر کا خرچ اٹھا رہی ہے اپنی آمدنی کا اندازہ رکھے اور اسی کے موافق اپنے خرچ کا تخمینہ کرے۔ اور کسی حال میں اخراجات کو آمدنی سے زیادہ نہ ہونے دے۔

عصمت ۲۷ء

بیوی اور خرچ

خانہ داری کے اخراجات کے سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ گھر کے تمام معاملات کی ذمہ داری عورت پر ہے۔ اور اس لئے کہ مرد کما کر عورت کے سپرد کر دیتا ہے وہ بری الذمہ ہے۔ اِس خیال سے کون ایسا ہوگا جو متفق نہ ہو۔ لیکن جن گھروں میں اخراجات صرف نپے تلے مل رہے ہوں اور صورت یہ ہو کہ سو کے خرچ میں ستّر دئے جاتے ہوں اور آمدنی ڈیڑھ سو کی ہو۔ یعنی باقی

روپیہ مرد یہ کہکر اپنے پاس رکھیں کہ وقت بے وقت کے واسطے پس انداز کرنا ضروری ہے۔ تو کون معقول شخص عورت کو ذمہ دار سمجھے گا۔ وہ بہ مشکل تمام مر مر کر مہینہ پورا کر رہی ہے۔ اس کو پہلی ہی پکڑ فی مشکل ہے۔ پھر وہ کس طرح پس انداز کر سکتی ہے۔ ہاں ایک یہ صورت ممکن ہے کہ وہ خود مہینہ بھر کے بدلے پندرہ روز کھانا کھالے اور اپنی پندرہ دن کی خوراک پس انداز کرلے۔ میں نے اکثر مردوں کو یہ کہتے سُنا ہے کہ جب ہم نے عورتوں کے ہاتھ میں روپیہ دیدیا تو وہ جو چاہیں کریں یہ اُن کا کام ہے کہ وقت بے وقت کے واسطے محفوظ رکھیں۔ لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ خرچ تو ڈیڑھ سو روپے کا اور روپے ملے سو۔ ایسا عورت بدنصیب کس طرح پورا ڈالے گی اور کیونکر جمع کرے گی۔ اِن حالات میں عورت پر مفت کی بدنامی کے سوا اور کیا ہے۔ مگر خرابی یہ ہے کہ وہ الگ رہتی ہے تو رہ نہیں سکتی۔ یہ ممکن نہیں کہ وہ تماشہ دیکھے۔ کچھ نہ کچھ خرچ سے واسطہ رکھے ہی گی۔ مگر اس کا واسطہ ایسا ہی ہو گا جیسا کہ ایک نوکر کا ہوتا ہے۔ لیکن جس وقت گھر پر کوئی خرچ کی ضرورت کوئی غیر معمولی آکر پڑ گئی تو تمام خاندان بیوی ہی سے توقع رکھے گا۔ مگر یہ توقع کہاں تک صحیح ہے۔ پڑھنے والے فیصلہ کریں۔

بہنیں اگر بُرا نہ مانیں تو میں اتنا کہوں کہ دُنیا میں اُس عورت سے زیادہ بے وقوف کوئی نہ ہوگی جو انجام پر مطلق نظر نہ کرے۔ میں نے اکثر بیویوں کو دیکھا ہے کہ ایک بیٹے کا بیاہ کرنے اُٹھیں تو عمر بھر کو فقیر ہوگئیں۔ جو اپنی گرہ میں تھا وہ لگا یا۔ قرض کیا۔ دام کیا۔ مکان رہن رکھا۔ زیور گروی بٹھا یا۔ مگر ایک رات دن تو وہ گلچھرّے اُڑائے کہ پڑوسیوں تک کی واہ واہ کردی۔ مگر وہ کاغذکی ناؤ آخر کب تک۔ ایک دن نہیں دو دن۔ دو دن نہیں تین دن۔ اس کے بعد کیا۔ ایک انجام پر نظر نہ کرنے سے عمر برباد ہوئی۔ اور فقط اپنی ہی نہیں اور بھی دو چار کی۔ اولاد پر اس کا اثر پڑا۔ میاں کی بچّوں کی سب کی زندگی ہی کا خاتمہ کردیا۔ میاں تنخواہ لیکر آئے۔ ابھی بیوی سے بات کرنی نصیب نہیں ہوئی کہ تقاضگیر سر پر موجود ہیں۔ گھڑی بھر میں ریوڑیاں سی بٹ گئیں۔ اب مہینہ بھر بیٹھے جُھٹّے بھونو۔ قرض لو۔ فاقے کرو۔ بھیک مانگو۔ بدتر سے بدتر زندگی جس طرح گزر سکتی ہے اُس طرح گزارو۔ اور خیالی پلاؤ پکاتے پکاتے ختم ہوجاؤ۔

خیال کرنے کی بات ہے آج ہم ایک پیسہ کسی کو مفت نہیں دینا چاہتے پھر جو بھر مٹھی روپے اور اشرفیاں ہمارے شوہروں کو دینا ہوگا وہ کتنی کچھ محنت لیکر دیتا ہوگا۔ ایسی محنت اور مشقّت سے کمایا ہوا پیسہ اسی قابل ہے کہ ہم اُسکو بے غل وغش خرچ کردیں۔ یا محض اس وجہ سے کہ ہمارا ارمان پورا ہوجائے۔ ایک رقم قرض لیکر

اس تنخواہ کے سر تھوپ دیں۔

بعض بیو پاری پرانی رسموں میں اس طرح جکڑی ہوئی ہیں کہ چاہے نماز ایک وقت کی قضا ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ مگر کوئی رسم ناغہ نہ ہونے پائے۔ بچہ کا دودھ بڑھا ہو۔ کھجوریں ضرور ہوں۔ پڑھنے کے قابل ہوا ہے۔ بسم اللہ کی شادی ہو۔ عقیقہ ہو۔ یہ ہو وہ ہو۔ غرض پلّے چاہے کوڑی نہ ہو مگر برادری میں سرخرو ہو جائیں۔ نہ کرینگے تو ناک کٹے گی۔ کُنبہ میں ذلّت ہو گی۔ اپنے حقیر سمجھیں گے۔ میرے خیال میں جہالت کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ ناک رکھنے کے لئے عمر بھر کے واسطے فقیر ہو جائیں۔ اوّل تو کوئی رسم فرض نہ سنّت۔ لازمی نہ ضروری۔ ہوت کی جوت ہی۔ اور دل کے ارمان نکالنے کا ایک ہی ذریعہ ہے تو چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے چاہئیں۔ کرنا ہے تو کرو مگر حیثیت کے اندر۔ اور جمع جتھا دیکھکر۔ یہ نہ ہو کہ عمر بھر کو قرض میں گرفتار ہو گئے۔ خاصی اچھی جیتی جاگتی جان کو جلا جلا کر اور گھُلا گھُلا کر غارت کر دیا۔

گو علم کی روشنی میں یہ خیال ماند پڑتے جاتے ہیں۔ مگر پھر بھی میں دیکھ رہی ہوں کہ ابھی زیادہ تعداد عورتوں کی رسموں کے معاملہ میں اپنے نفع نقصان کا لحاظ نہیں کرتی۔ اور یہ سمجھکر کہ باپ دادا سے یوں ہی ہوتی آئی ہے۔ تباہ کن رسموں کا ادا کرنا فرض سمجھتی ہے۔

میری رائے میں ایسی بیوی جو شوہر کی کمائی ایسے فضول طریقوں سے صرف کرے۔ بچّوں کی دشمن اور میاں کی قاتل ہے۔ کمائی اُس کے سپرد اس غرض سے کی گئی ہے کہ وہ اُس کو مناسب موقعوں پر خرچ کرے نہ یہ کہ ان بیہودہ رسموں کے پورا کرنے میں جو بالکل فضول ہیں۔

ہماری صنعت

ہندوستان اپنی صنعت و حرفت کے جو نمونے دنیا میں پیش کر چکا ہے اور اُس نے جو شہرت حاصل کی اور جس کا قریب قریب خاتمہ ہی ہو گیا اُسکے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں معلوم دیتی۔ دنیا اس کی مداح ہے اور آج روئے زمین کے مشہور عجائب خانوں میں ہندوستان کی صنعت اپنے ملک کی دستکاری کو چار چاند لگا رہی ہے۔ مگر جب ہندوستانی خواتین نے جو زیب و زینت کی سرتاج ہیں اپنی آرائش صرف مغربی صنعت تک محدود کی اور اپنے ملک کی صنعت کو قطعاً خارج کر دیا تو وہ صنعت کس طرح زندہ رہ سکتی تھی۔ اچھے اچھے صناع اور کاریگر روٹیوں کو محتاج ہو گئے۔ دہلی اور لکھنؤ میں اس کا پتہ اچھی طرح مل سکتا ہے کہ وہ عورتیں جن کے ہاتھ کی بنائی ہوئی کنٹھیاں بیلیں اور چکنیں سینکڑوں روپیہ کی فروخت ہوتی تھیں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھی ہیں۔ وجہ کیا صرف یہ کہ عورتوں نے بجائے دیسی چکن کے ولایتی چکن کا استعمال شروع کیا۔ بچوں کو بجائے ڈھاکہ کی ململ کے جس میں خوبصورت کنٹھیاں بچوں کو آراستہ کرتی تھیں سوٹ پہنانے شروع کر دئے۔ یہ وبا اس طرح پھیلی کہ تمام ملک اس میں گرفتار ہو گیا اور اپنے ملک کی صنعت و حرفت کو دودھ کی مکھی کی طرح باہر نکال کر پھینک دیا۔ نتیجہ ظاہر تھا کہ جن لوگوں کو اس صنعت میں دسترس تھی۔ جب ان کی ناقدری ہوئی تو دوسرے کیں

توقع پر سیکھتے۔ اب اِن باتوں کے جاننے والے بھی کم ہو رہے ہیں۔ اپنے ہاں کی مشہور عمارات پر نظر ڈالیئے۔ یہ آج بھی دُنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ مگر اب ایسی عمارتوں کی بجائے جب کوٹھیاں اور بنگلے بننے لگے۔ اور خود گھروں میں بھی یہی وضع قطع شامل ہوگئی تو وہ صنعت ہی رخصت ہوئی۔ اور اگر اس طرز کے معمار جو دوسرا تاج گنج بنادیں ڈھونڈے جائیں تو ایک بھی میسر نہ آئے گا۔

یہ ہی کیفیت اور بہت سے کاموں کی ہے جو فنا ہوگئے اور فنا ہو رہے ہیں اور اب ان کا رواج بھی نہ رہا۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مدت دراز کے بعد ہندوستان نے کروٹ لی اور اپنے کھوتے ہوئے جوہر دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے بہت سی بہنیں گاڑھے اور کھدر پر خوبصورت بیلیں اور فیتے جو ہندوستان کی اپنی صنعت ہے استعمال کر رہی ہیں۔ گو مرد بھی اس طرف توجہ کر رہے ہیں، مگر مردوں سے بہت زیادہ عورتوں کو اس طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ زیبائش کا بڑا حصہ اور بچوں کی پرورش اور اُن کا لباس عورتوں ہی سے متعلق ہے۔

اصولِ زندگی

ہمارے طرزِ معاشرت میں جہاں بہت سی باتیں قابلِ فخر اور چند ضرورت زمانہ کے لحاظ سے قابلِ ترمیم ہیں وہاں بعض باتیں قابلِ افسوس بھی ہیں۔ گو اس کا تعلق ہم سے صرف ہماری غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے ہو۔ سب سے بڑی بات جس کا میں اس وقت ذکر کرنا چاہتی ہوں تہذیب اور وقت کی پابندی ہے جہاں تک میرا تجربہ ہے میں کہہ سکتی ہوں کہ ہمارے ہاں ایسی عورتیں اور لڑکیاں بہت ہی کم ہیں جو تہذیب سے کام لیں اور وقت کی پابند ہوں۔ برخلاف اس کے میں ہسپانوی مس ایلن صاحبہ کو دیکھتی ہوں کہ وہ وقت کی پابندی کو شاید مذہبی فرائض سے بھی زیادہ سمجھتی ہوں ناممکن ہے کہ وہ اپنے وقت کو کبھی بیکار کھوئیں اور زندگی جیسی نعمت کو فضول برباد کر دیں۔ ہماری یہ کیفیت ہے کہ اگر دن بھر میں ایک کام بھی کر لیا تو بس عمر بھر کے واسطے فخر کرنے کو کافی ہے۔ اگر تقدیر سے کچھ تھوڑی سی ثروت ہو گئی کھانا پکانے کے لئے ماما موجود ہے۔ تو اب دن بھر پلنگ پر پڑے اینڈ رہے ہیں۔ رات کو سویرے سے کھانا کھایا اور خراٹے لینے شروع کئے۔ نہ کسی کلب میں جانے کی ضرورت، نہ انجمن میں شریک ہونے کی فرصت، اگر کبھی بھولے بسرے کسی سے ملنے گئے بھی تو خط نہ تار اجازت نہ اطلاع اپنا ایکی جا دھمکے۔ جن بیویوں میں تعلقات وسیع اور محبت زیادہ ہو وہاں شاید ایسی بے تکلفی جائز سمجھی جائے۔ لیکن عام طور پر تو یہ وطیرہ اچھا نہیں۔ ممکن ہے کہ صاحب خانہ کو ملنے کی فرصت نہ ہو یا اس کا گھر بیمار

کی اطلاع دینے پر درستی کا محتاج ہو یا اس کا موجودہ لباس ملاقات کے قابل نہ ہو اس پہلی غلطی پر جس کے معنی ایک شخص کو شرمندہ اور ذلیل کرنا ہے۔ دوسرا تازیانہ یہ کہ گئے تو وہیں کے ہو رہے۔ گھنٹوں ہو گئے اور اُٹھنے کا نام نہیں نہ یہ خیال کہ اس بیچاری کو اپنے بھی کچھ کام کرنے ہیں نہ یہ لحاظ کہ یہ غریب ہماری ملاقات میں اپنا کتنا وقت صرف کر سکتی ہے۔ میں اپنی مس صاحب کو دیکھتی ہوں باوجودیکہ بدھ اور ہفتہ دو دن اور نو بجے کا وقت آنے کا مقرر ہے۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ وہ بلا اجازت اندر آ گئی ہوں۔ دو دفعہ مجھ کو انھیں دعوت دینے کا اتفاق ہوا۔ پہلی مرتبہ وہ شریک نہ ہو سکیں۔ مگر انہوں نے نہایت خلق اور تہذیب سے عذر کیا اور اُسی وقت جواب لکھا کہ افسوس جس وقت آپ بُلانا چاہتی ہیں۔ میں یہ وقت اپنی دوسری بہن سے ملاقات کا مقرر کر چکی ہوں۔ گو یہ اگلے برس کا ذکر ہے مگر مجھ کو اچھی طرح یاد ہے کہ تقریباً سو رقعے بھیجے گئے تھے جن میں سے تین یا چار نے معذوری ظاہر کی۔ لیکن افسوس کھانے پر جو بہنیں شریک ہوئیں وہ زیادہ سے زیادہ پچاس ہوں گی۔ کیا تہذیب کا یہ تقاضا نہ تھا کہ اگر وہ شرکت سے مجبور تھیں تو ہم کو دو حرف لکھ بھیجتیں تاکہ ہم انتظار کی تکلیف اور مالی صرف دونوں سے بچتے۔

دوسری مرتبہ میری چچازاد بہن کے ہاں مختصر سی پارٹی تھی پانچ بجے کا وقت مقرر تھا۔ لیکن چھ بجے کے بعد ڈولیاں اُترتی رہی تھیں۔

میری عزیز بہنو! اب اُصول زندگی تو چند ہیں نہ سب ہی بسر کر لیتے ہیں ہم کو جو اشرف المخلوقات کا خطاب عطا ہوا ہے تو کوئی چیز تو ہماری زندگی میں فوقیت رکھتی ہو۔ وقت کو ضائع نہ کرو یہ پھر ہاتھ آنے والا نہیں جو کام ہو گیا وہ ہو گیا۔

صبح سویرے اُٹھنا

ہندوستانی عورتوں میں جہاں اور بہت قابل اِصلاح نقص ہیں وہاں ایک دن چڑھے سو کر اُٹھنا بھی ہے۔ گو یہ عادت مردوں میں بھی موجود ہے مگر "تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو" یہ تو ظاہر ہے کہ خداوند کریم نے ہم کو دن کام کاج کے واسطے اور رات آرام کے لئے عطا فرمائی۔ کیونکہ دن بھر کی سخت محنت کے بعد دماغ کو آرام نہ پہونچتا تو چند ہی روز میں بالکل بیکار ہو جاتا لیکن ضرورت سے زیادہ آرام کرنا جسم کے اُس بڑے حصہ کو جو بدن کا سردار سمجھا جاتا ہے یعنی دماغ بالکل اینڈ کر دیتا ہے۔ موٹی سی بات ہے کہ تمام دن ہمارے دلوں میں اور دماغوں میں ہزاروں قسم کے تفکرات اور پریشانیاں موجود رہتی ہیں۔ لیکن رات کو جب نیند قلب و دماغ کو راحت پہنچا دیتی ہے تو صبح کو دونوں چیزیں بالکل تر و تازہ ہوتی ہیں۔ پچھلے خیالات منتشر ہوتے ہیں اور جب تک پھر دوبارہ آکر نہ سما جائیں دماغ میں اچھے کاموں کے کرنے کی قابلیت موجود ہوتی ہے۔ مگر نیند جو ایک طرف تازگیٔ دماغ کا بہت اچھا ذریعہ ہے۔ دوسری طرف تمام خوبیاں زائل کر دینے کے واسطے نہایت بدتر مرض۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بہت اچھی غذا کیسی ہی لذیذ کیوں نہ ہو مگر جب مقدار سے زیادہ کھائی جائے تو سخت تکلیف دہ ہے۔ حکماء نے صحت برقرار رکھنے کے واسطے زیادہ سے زیادہ آٹھ گھنٹے تجویز کئے ہیں۔ اس سے زیادہ سونا

نہایت مضر ہے۔ ایک اور بات غور کرنے کے قابل ہے۔ اگر دماغ زیادہ رنج و
غم میں آلودہ نہیں ہے تو جائز استراحت کے بعد خود ہی انسان کو چونکا دیتا ہے
یہی وجہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے اکثر سویرے اُٹھ بیٹھتے ہیں۔ لیکن اُن ماں
باپ کے سایۂ عاطفت میں جو دوپہر تک سونے والے ہیں رفتہ رفتہ بچے بھی
نیند کے متوالے ہو جاتے ہیں۔ مذہب جو نیکیوں کا سرچشمہ ہے اگر غور کرو تو
ہم کو ایسی اچھی اچھی باتیں بتا رہا ہے جن کے میٹھے پھل اسی دنیا میں ہمارے
واسطے موجود ہیں میرا خیال تو یہ ہے کہ دُنیا بھر میں جتنے مذہب ہیں سب میں
سویرے اُٹھنے کی تاکید ہوگی۔ کیونکہ دن بھر کی زندگی کی بھلائی اور بُرائی کا
دار و مدار اسی پر ہے۔ اسی واسطے ہمارے ہاں صبح کی نماز مقرر کی گئی۔ گرمی کے
موسم میں گرمی۔ گھمس۔ مچھر۔ پسو وغیرہ کی وجہ سے گھنٹوں نیند نہیں آتی۔ بڑی
مشکل سے خدا خدا کر کے جب کہیں ذرا ہوا سرسرائی تو آنکھ لگ گئی۔ ایسی
حالت میں علی الصباح اُٹھنا بہت ہی ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جو بیبیاں
سویرے اُٹھنے کی عادی اور نماز کی پابند ہیں آلکسی تو اُن کو بھی ہوتی ہوگی مگر
جس طرح اُن کا دن گزرتا ہے۔ وہ دیکھئے دن بھر چونچال اور خوشحال۔ سُستی
الکساہٹ نام کو نہیں۔ ہاتھ پاؤں کام کرنے کو مستعد اور محنت کرنے کو تیار
برخلاف ان کے وہ اللہ کی بندیاں جو نو دس بجے کے قریب سو کر اُٹھیں۔ کچھ
دیر تک سر جھاڑ منہ پہاڑ پلنگ ہی پر بیٹھی نیند کا ماتم کرتی رہیں۔ گھر میں جھاڑو
نہ بُہارو فرش پر چیونٹے پھر رہے ہیں۔ برتنوں پر مکھیاں بھنک رہی ہیں۔ بمشکل
تمام منہ دھویا۔ اب اُن کا دن دیکھو افیمیوں کی طرح پینک میں بیٹھی ہیں۔ عہدیوں
کی مانند یہاں پڑ گئیں وہاں بیٹھ گئیں۔ جمائیوں پر جمائیاں۔ انگڑائیوں پر انگڑائیاں
ہاتھ پاؤں ہیں کہ سُن پڑے ہیں! گھر ایسا گھر والی ایسی۔ آئے گئے کا کیا خاک

بیٹھنے کو جی چاہے۔ آدھ گھنٹہ کا بیٹھنا دس ہی منٹ بیٹھ کر سیدھا ہولیا۔ تمام خرابیاں فقط دن چڑھے سو کر اُٹھنے سے ہیں۔ یہ ہی بیویاں جو دیر تک سونے کی عادی ہیں۔ ایک دن تو سویرے اُٹھ کر بھی دیکھیں کہ دن بھر کیسی طبیعت خوش رہتی ہے۔ اور گھر گرہستی کے دھندے کیسی مستعدی اور چالاکی سے کرتی ہیں۔ خاصکر کواری لڑکیوں کے واسطے تو یہ مرض بہت ہی بُرا ہے۔ انکو ایک ایسی جگہ جانا ہے جہاں اُن کی بُرائیاں تو بُرائیاں بھلائیوں پر بھی نکتہ چینی ہوگی۔ اگر اُن میں ابھی سے یہ عیب پڑگیا تو بدنامی اور نقصان کے علاوہ سخت تکلیف ہوگی! گرمی میں بھی اور جاڑے میں بھی نماز کے بعد جب بچیاں قرآن شریف پڑھتی ہیں اور اُن کی آوازیں دور دور جاتی ہیں تو کیسی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ سُننے والوں کے دلوں میں بھی اس گھر کی ایک خاص وقعت پیدا ہوتی ہے۔ میری عزیز بہنو! سویرے اُٹھنے میں اگر آلکسی آئے تو یہ سوچا کرو کہ جس چیز کا نام رات تھا وہ سو کر گزار دی۔ اب تھوڑی سی دیر اُس کا بھی ذکر کریں جس کے بے شمار احسانات ہمارے اوپر ہیں جو دین و دُنیا کا مالک اور ہمارا پیدا کرنے والا ہے!

اے دِل اُٹھ! اور

کوئی گھڑی تو ہوش و خرد سے بھی کام لے
وقتِ سحر قریب ہے اللہ کا نام لے

ہر بات کا ایک وقت ہر کام کی ایک جا

یہ مشہور مقولہ ہر شخص جانتا ہے کہ ہر بات کا موقعہ اور محل ہر کام کی ایک جگہ مقرر ہونی چاہیئے اور درحقیقت زندگی کو کامیاب بنانے کے واسطے سب سے پہلے ہم کو اس اصول پر عمل کرنا چاہیئے۔ لیکن ہمارے ہاں باوجود اس کے کہ لڑکیوں میں تعلیم کا رواج روز بروز ترقی کر رہا ہے اس پر مطلق توجہ نہیں۔ ہم خانہ داری کے اکثر معاملات میں اس غفلت سے کافی تکلیف اٹھاتے ہیں اور پھر بھی اس اصول پر کام نہیں کرتے۔ فرض کیجئے ترکاری بنانے کا چاقو یا چھری ہے اگر اسکے واسطے ایک جگہ مقرر ہو اور وہیں رکھدی جائے تو کبھی یہ دقت نہ ہو کہ ترکاری بنانے کی ضرورت ہو۔ سارا گھر چھان مارا اور چاقو یا چھری نہیں ملتی۔ دیا سلائی کا بکس ہو لیمپ روشن کئے اور جہاں جی چاہا ڈال دیا۔ اتفاق سے لالٹین بجھ گئی۔ اب چاروں طرف ڈھونڈھ رہے ہیں نہیں ملتا۔ اگر ایک جگہ مقرر ہوتی اور وہیں رکھا جاتا تو یہ دقت نہ ہوتی۔ میں نے اکثر بیویوں کو دیکھا ہے کہ جس وقت جی چاہا اور جہاں موقعہ ملا بال کھولے تیل ڈالا اور سر گوندھنے بیٹھ گئیں۔ گو اپنے گھر میں سہی مگر بدتہذیبی اور بے احتیاطی تو ہر جگہ بدتہذیبی اور بے احتیاطی ہی ہے۔ اس طرح سر گوندھنے میں لاکھ احتیاط کی جائے مگر ایک آدھ بال کا کسی چیز میں آجانا بہت ممکن ہے۔ سالن میں روٹی میں پانی میں بال نکلنے کی یہی وجہ ہوتی ہے کہ گھر میں اسکی احتیاط نہیں کیجاتی۔ لڑکیاں یا بڑی عورتیں صبح کے وقت غسل خانہ میں روزانہ منہ ہاتھ دھوتے وقت بال درست کرلیا کریں تو یقیناً یہ تکلیف نہ ہو۔

ہر کام کے واسطے ایک جگہ مقرر کردی جائے تو خانہ داری کی بہت سی تکلیفیں کم ہوسکتی ہیں۔ برسات کے موقعہ پر میں نے دیا سلائی کے بکس کی اس بے احتیاطی سے سخت نقصان ہوتے دیکھا۔ رات کو سب پڑ کر سو گئے مچھلی شام کو نکھار کر رکھی تھی۔ لیمپ بجھ گیا مینھ برسنے لگا۔ سب گھبرا کر اٹھے۔ اندھیرا گھپ تھا۔ بلی مچھلی کھا رہی تھی۔ دیا سلائی کا بکس ملا نہیں۔ چوٹیں لگیں وہ الگ اور نقصان ہوا وہ جدا۔

قرضدار بیوی

شراب کی بابت سُنا ہی کہ ع چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی،
مگر میں تو سب سے بڑا کافر قرض کو خیال کرتی ہوں۔ جو ایک دفعہ منہ سے لگ کر پھر کبھی
نہیں چھوٹ سکتا۔ اور جس نے ایک دو نہیں لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو تباہ کر دیا۔
تعجب ہے اُن کمبخت لڑکیوں پر جو قرض کی مصیبت کو جانتی ہیں اور اس خوفناک
اژدہے کے منہ میں جا پھنستی ہیں۔ بیوی والا مرد اگر قرضدار ہو تو اسکی ذمہ داری
صرف اسکی بیوی کی ذات پر ہے۔ اگر میاں بیوی میں محبّت ہے۔

جو لڑکی قرض پر شیر ہے۔ اور موجودہ تکلیف کو قرض سے رفع کرنا چاہتی
ہے وہ یقیناً ایک خودکشی کرنے والا انسان ہے اور اپنے ساتھ چند اور انسانوں کو
زندہ درگور کرنا چاہتی ہے۔ خدا ان بیویوں کو نیک توفیق دے جو اپنے ساتھ
دوسروں کو بھی مصیبت میں پھنسائیں۔

بیویوں کا فرض ہی کہ خدانخواستہ فاقہ ہو تو اس کو نہایت خوشی سے برداشت
کریں اور وہ وقت نہ آنے دیں کہ جب اُن کے پاس روپیہ آئے تو قرض خواہ
اُن کی تمام آمدنی ایک ایک کر کے لے جائیں اور مفلسی کی مصیبت کسی طرح
ختم نہ ہو۔

عید اور قرض

جس طرح بعض فضول رسموں پر مسلمان روپیہ کا برباد کرنا ثواب سمجھتے ہیں اسی طرح عید پر بھی ناعاقبت اندیش قرض لیکر تہوار مناتے ہیں۔ لیکن یہ ایسی زبردست غلطی ہے جسکی تلافی بمشکل ہو سکتی ہے۔ رسموں کے مقابلہ میں بھی جس طرح زیادہ تر عورتیں ہی ذمہ دار ہیں اسی طرح عید بقرعید کے موقعوں پر بھی۔ اسلام کا منشا یہ ہے کہ عید کے روز غسل کرنا۔ اچھے کپڑے بدلنا۔ خوشبو لگانا۔ نماز کو جانا مسنون ہے لیکن برخلاف اس کے مسلمانوں کی یہ کیفیت ہے کہ سینکڑوں روپے عید کے سلسلہ میں اڑا دیتے ہیں۔ ہر شخص کے کپڑے نئے ہوں۔ بچوں کے واسطے اعلیٰ سے اعلیٰ لباس اور جوتی ٹوپی موجود ہو۔ اگر روپیہ پاس نہیں تو بلا سے قرض دام لیں۔ مگر عید کے روز کسی سے ہیٹے نہ رہیں۔

یہ ایک موٹی سی بات ہے کہ عید کا دن رات وہی چوبیس گھنٹہ کا ہے آیا اور گیا۔ لیکن اگر اس کا ایسا اثر چھوڑ جائے کہ آدمی مدتوں پریشان رہے تو اس عید سے محرّم بہتر۔ گھر والی بیویوں کو چاہیئے کہ وہ چادر دیکھکر پاؤں پھیلائیں۔ یہ نہ کریں کہ جھونپڑوں کا رہنا اور محلوں کا خواب۔ پانچ روپیہ مہینہ کی قسط پر سو روپیہ قرض لیکر عید منائیں۔ وہ اگر سمجھدار ہیں تو ان کو اپنے شوہروں کو اس خبط سے روکنا چاہیئے نہ کہ وہ خود اس مرض میں گرفتار رہوں۔ عورتوں کو خاص طور پر اس طرف توجہ کرنی چاہیئے کہ جو کچھ خدا نے ان کو دیا ہے اُسی میں عید منائیں اور خدا کا شکر ادا کریں اور ایک پیسہ کا قرض نہ ہونے دیں۔

یہ تو قریب قریب سب ہی جانتے ہیں کہ صرف صورت کا اچھا ہونا عورت کے واسطے کافی نہیں ہے۔ جب تک اُسمیں وہ تمام صفتیں موجود نہ ہوں جو ایک بیوی کے واسطے ہونی ضروری ہیں اور اسی میں خانہ داری سب سے مقدم ہو خوبصورت عورت جس میں خانہ داری یا اور دوسرے انتظام کی قابلیت نہ ہو اُس پھول کی طرح ہے جو دیکھنے میں تو اچھا ہے، مگر خوشبو مطلق نہیں، اصل میں عورت کی خوشبو اس کی وہی صفتیں ہیں جو اس کے فرائض کے پورا کرنے میں ظاہر ہوں۔ خانہ داری کا لفظ اتنا وسیع ہے کہ اس میں بہت کچھ شامل ہے۔ ہمارے خیال میں اس کا پہلا کام یہ ہے کہ ہر وہ پیسہ جو شوہر نے اُس کے ہاتھ میں دیا اسی احتیاط سے صرف کیا جائے جس محنت سے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ جو تکلیف مردوں کو پیسہ پیدا کرنے میں ہوتی ہے عورتوں کو ہر وقت اُس کو اپنے پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ تاجر بظاہر آزاد ہے۔ کسی کا نوکر چاکر نہیں۔ مگر وہ پیسہ پیدا کرنے میں نوکر سے کم نہیں۔ بڑی کوٹھی ہو یا چھوٹی دُکان نوکر کی طرح پابند بنا بیٹھا ہے، نہ معلوم کس وقت خریدار آجائے، خریدار آیا تو اب اس سے خواہ خوشامد کہو یا التجا اس طرح بات کرنی ہے کہ وہ اُکھڑ کر دوسری دُکان پر نہ چلا جائے۔ غرض کسی نہ کسی طرح اس کی جیب سے دام نکلوا کر اپنی جیب میں ڈالتے ہیں۔ برابر میں دوسرے دوکاندار ہیں۔ یہ بھی ڈر ہے کہ وہ کم داموں کو نہ دیدیں۔ مختصر یہ ہے

کہ سخت تکلیف اُٹھا کر اور در دسری سے روپیہ ملتا ہے۔ ملازم کی پابندی اور مجبوری تو ظاہر ہی ہے۔ غرض مردوں ہی کے دل سے پوچھنا چاہیئے کہ وہ کیا کیا دُکھ اٹھا کر بیوی بچّوں کو سُکھ دیتے ہیں۔ اِس واسطے بیوی کا بڑا کام اِس پیسہ کی قدر کرنا ہے۔ یوں اُٹھانے کو تو جتنا جی چاہے اُٹھا دو اور جس قدر چاہے صرف کر لو۔ اچھا پہننے اور اچھا کھانے کو کس کا جی نہیں چاہتا۔ مگر بیوی وہی بیوی ہے جو بیلوں کے پانچ روپیہ دیتے وقت اتنا بھی سوچ لے کہ یہ پانچ روپے کس محنت اور مصیبت سے پیدا کیے گئے ہیں۔ اور مجھے ان کو کس احتیاط سے صرف کرنا چاہیئے۔

اِس میں شک نہیں کہ سوسائٹی یعنی خود اپنے ملنے جلنے والے ایک بڑی حد تک اِس نقص کے ذمہ وار ہیں اور وہ اچھی پوشاک اور اچھے لباس کی زیادہ عزت کرتے ہیں مگر ایسی سوسائٹی حق نہیں رکھتی کہ اس سے تعلقات بڑھائے جائیں۔ کسی عورت کے واسطے ہرگز ہرگز یہ مناسب نہیں کہ وہ محض اپنا دل خوش کرنے یا اپنی عزت بڑھانے یا امارت جتانے کے واسطے اپنے لباس وغیرہ کے اوپر بیدردی سے روپیہ صرف کر دے کسی دوسرے اِنسان یا جانور کو تکلیف پہنچانا جس طرح سنگدلی اور ظلم ہے بس اسی طرح روپیہ کو اِس طرح برباد کرنا شوہر پر ایسا سخت ظلم ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔

بڑی ضرورت اِس امر کی ہے کہ بیوی شوہر کی آمدنی کے اندر اپنا خرچ رکھے اور جہاں تک ممکن ہو کچھ نہ کچھ پس انداز کرے۔ اِس ضرورت کو پورا کرنے میں خواہ وہ کیسا ہی کھائے کیسا ہی پہنے اس کی عزّت کم نہیں ہو سکتی۔

گھر کی صفائی

بیویوں کے لئے گھر کا صفا ستھرا رکھنا اُن کے فرائض میں داخل ہے۔ جن بیویوں کو یہ خیال ہے کہ وہ اپنی زیب و زینت کو مقدّم سمجھتی ہیں، اور گھر کی صفائی و ستھرائی پر پوری طرح متوجہ نہیں، وہ غلطی پر ہیں۔ عورت کی زیب و زینت کا واسطہ زیادہ تر اس کے شوہر سے ہے۔ لیکن مکان کی صفائی ستھرائی کا واسطہ ہر شخص سے ہے، جو شخص گھر میں آئے گا وہ بیوی سے پہلے مکان کی صورت دیکھ کر گھر والی کی بابت رائے قائم کرے گا۔ گو اس کا اپنا صاف ستھرا ہونا بھی ضروری ہے اور اگر صفائی نہ ہوئی تو وہ پھوہڑ سمجھی جائے گی۔ لیکن مکان کا درست ہونا اس سے زیادہ ضروری ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں، کہ اگر اس کے پاس روپیہ نہ ہو، یا شوہر کی آمدنی تھوڑی ہے، تو گھر کو بالکل مغربی طور پر سجائے، اور مجبور ہے کہ نہیں سجا سکتی، جیسی اس کی حیثیت ہو اُسکے موافق گھر کو آراستہ کرنا چاہیئے۔ اگر اُس کے ہاں پچاس روپے کا قالین نہیں ہے تو نہ سہی، میز کرسیاں نہ ہوں نہ سہی۔ فرش دری نہیں منگا سکتی تو نہ منگائے۔ جو کچھ میسر ہو اسی کو ٹھیک طرح رکھے، جھاڑ و بہارُ دے کر کوڑے کرکٹ سے پاک کرے، ہر چیز کو اُس کی جگہ پر رکھے۔ فرش پھٹا ہو تو بلا سے مگر پھوہڑپنے سے دھبّے نہ پڑے ہوں۔ یہ خیال غلط ہے کہ گھر صرف روپے سے آراستہ ہو سکتا ہے۔ عورت کا سلیقہ مفلسی ہی میں معلوم ہوتا ہے۔ امیر تو سب کچھ کر سکتا ہے، کرنا تو غریب ہی کا ہے۔ اور تعریف کی زیادہ

مستحق وہی عورت ہے کہ باوجود غریب ہونے کے خود بھی میلی نہیں رہتی۔ اور گھر کو بھی درست رکھتی ہے، ایک عورت اگر ہزاروں کا زیور اور سینکڑوں کی پوشاک پہنے ہو مگر ناخن بڑے ہوں پاؤں پہ میل ہو۔ دانت صاف نہ ہوں تو وہ اپنے دل میں جس قدر چاہے خوش ہولے مگر اس سے وہ عورت بہتر ہے کہ جو دھوبی کے دُھلے سادہ کپڑے پہنے ہو۔ اس کے دانت صاف ہوں اس کے جسم پہ میل نہ ہو۔

تجربہ سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جس بیوی کو خود اپنے صاف رہنے کا شوق ہوگا وہ مکان بھی صاف رکھے گی۔ اور جو خود ہی میلی کچیلی رہے گی وہ گھر کو کیا صاف رکھ سکتی ہے۔ اس سے یہ اُمید بھی نہیں کہ وہ بچّوں کو درست رکھ سکے حالانکہ بچّوں کا صاف رکھنا بھی گھر سے کم ضروری نہیں۔ یہ خیال کسی حالت میں توجہ کے قابل نہیں کہ مفلسی کچھ نہیں کرنے دیتی۔ اس کو اگر زیادہ نہیں تو پانی تو میسر ہے جس سے وہ بچّوں کا منہ دُھلا سکتی ہے۔ پھٹے کپڑوں کو سی سکتی ہے۔ میل کچیل کو دھو سکتی ہے۔ غرض سب کچھ کر سکتی ہے۔ اگر کرنا چاہے۔ ہر ماں کو اپنے دِل میں یہ یقین کر لینا چاہیئے کہ گو میں باہر نہیں نکلتی، اور لوگوں کے طعن و تشنیع سے محفوظ ہوں، مگر یہ بچّے آئینہ ہیں۔ جن میں میری صورت صاف جھلک رہی ہے۔ اور میرے عیب و ہنر الگ نظر آرہے ہیں۔

بچّوں کی ابتری کا مردوں سے کوئی واسطہ نہیں، اس کی ذمہ داری ما اور صرف ماہی پر ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ماں بچہ کے واسطے اتنی سخت ہو کہ بچے کو اُس کے جائز حقوق سے محروم کر دے۔ اس کو کھیلنے کودنے، ہنسنے رونے نہ دے۔ بھاگنے دوڑنے کا حق قدرت نے دیا ہے۔ اور اسی پر اس کی نشوونما کا قریب قریب انحصار ہے اگر اس کے جائز حق سے ماں کے انتظام

میں کوئی فرق آتا ہے تو ما کا یہ کام ہے کہ وہ زیادہ تکلیف اُٹھاتے ۔ نہ یہ کہ اس کو محروم کرے، فرض کرو ایک ما کو گھر کا مختصر صحن میسر ہے، جس میں اس نے جھاڑو دے کر صفائی کی، لیکن بچہ کے کھیلنے کا وقت ہے۔ اس کی وجہ سے کوڑا ہوگا، ما کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کا کھیل روک دے، بلکہ اس کا کام یہ ہے کہ کھیل کے بعد پھر جھاڑو دے یا دلوائے۔

انگلستان کی ایک مشہور شاعر عورت جارجیا نے اس مضمون پر ایک نظم لکھی ہے جس کا مفہوم یہ ہے :۔

ایک خاموش گھر میں جہاں ما اور باپ دونو خاموش ہیں قدرت کی ایک ہستی ایک چھوٹا سا بچہ پرورش پا رہا ہے، مگر اس لئے کہ ما اور باپ دونو خاموش ہیں اور گھر کا کونہ کونہ خاموش ہے۔ اس گھر کے زمین اور آسمان کو خاموش رہنا چاہیئے۔ چنانچہ یہ بچّہ بھی خاموش ہے۔

اِس خاموش گھر میں خاموش ما باپ سنجیدہ ہیں، ایسے سنجیدہ اور غیور کہ زندگی اُن کو ہنسنے کی کم فرصت دیتی ہے۔ یہاں ہر چیز سنجیدہ ہے، چنانچہ یہ بچہ بھی ہنسنے اور رونے سے محروم ہے۔

اِس خاموش اور سنجیدہ گھر میں عقلمند، ما کائنات کے مطالعہ میں ہر وقت مصروف ہے۔ اس کو اتنی فرصت نہیں کہ دوسرے وقت گھر کو جھاڑ سکے۔

صبح کی جھاڑو کے بعد خاموش اور سنجیدہ گھر صاف اور ستھرا ہونا چاہیئے۔ اِس لئے وہ بچہ بھی کھیلنا اور کودنا نہیں جانتا۔

خزاں کے موسم میں جب بڑے بڑے درخت مرجھا رہے تھے۔ اور پتے اپنی شاخوں سے جدا ہو کر زمین کی آغوش میں پہنچ رہے تھے، اس پتے کی طرح جس کو ہوا کے تیز جھونکوں نے گرایا، اور زمین نے اپنی گود میں لیا، موت کے فرشتے نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس بچہ کو اٹھا کر جنت میں لے گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ بچوں کی پرورش کے معنی یہ نہیں ہیں کہ سختی اور ظلم سے اُن کی خواہشوں کو تکمیل تک نہ پہنچایا جائے۔ ان کی خواہشات کا پورا کرنا ما کا فرض ہے۔

چھٹی کی دھوم دھام

ارمان سے تو شاید دنیا میں کوئی دل خالی نہ ہو۔ مگر ارمان پورا کرنیکے اگر یہ معنی ہیں کہ انجام پر نظر نہ ڈالی جائے اور اس وقت ارمان پورا ہو جائے تو ایسے ارمان کو سلام۔ بعض بہنیں اپنا ارمان پورا کرنے میں بغیر سوچے سمجھے جو کچھ پاس ہو وہ اور جو اِدھر اُدھر سے قرض مل سکے وہ صرف کر دینا فرض سمجھتی ہیں اور اپنے ساتھ خاوندوں کو بھی سخت مصیبت میں گرفتار کرتی ہیں۔ حال میں مجھے ایک چھٹی کی شادی میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ یہ بہن معمولی حیثیت کی عورت ہیں اور جہاں تک مجھے معلوم ہے میں نے ہمیشہ اُن کی آمدنی کے خرچ کو پورا نہ ہو سکنے کی شکایت سُنی ہے۔ ان کے چار بچے ضائع ہو چکے ہیں۔ بیٹے کا ارمان دل میں تھا۔ اب خدا نے یہ دن دکھایا کہ بیٹا پیدا ہوا۔ چھٹی کے دن جس وقت پہونچی ہوں تو دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں۔ دیگیں کھڑک رہی تھیں اور بجلی کی روشنی نے رات کو دن کر رکھا تھا۔ میراثنیں لہک لہک کر گا رہی تھیں۔ رات تو خیر اسی چہل پہل میں بسر ہو گئی مگر صبح کو جب مہمان چلے گئے اور میں نے اُن بہن سے پوری کیفیت پوچھی تو کہنے لگیں۔ دو سو روپے بدلے زیور گروی رکھکر یہ سب کچھ کیا ہے۔ ننّھے کے ابّا کی مرضی تو تھی نہیں مگر ارمان پورا کرنا تھا۔ چھٹی تو ہو چکی لیکن میرے خیال میں یہ چھٹی اُن کو چھٹی کا کھایا یاد دلا دے گی۔ خدا ہماری بہنوں کو نیک توفیق دے اور وہ انجام پر نظر ڈال کر کام کریں۔

ماماؤں کا کال

تعلیم جدید کا منشا اگر صرف ایسی لڑکیاں پیدا کرنا ہے جو اخبار میں مضمون لکھ لیں اور کتاب پڑھ سکیں تو یقیناً قوم کو ایسی لڑکیوں کی ضرورت نہیں۔ تعلیم یافتہ کے اگر یہ معنی ہیں کہ عورت خانہ داری کے کام سے بالکل ناآشنا ہو تو اس تعلیم کی مطلق قوم کو ضرورت نہیں۔ قوم کو اُن لڑکیوں کی ضرورت ہے جو سچ مچ کی مسلمان ہوں۔ اور مسلمان لڑکی کا پہلا کام یہ ہو کہ وہ اپنے فرائض سے پوری طرح باخبر ہو۔ اور فرائض میں سب سے مقدم خانہ داری کے فرائض ہیں۔ اگر ایک بیوی کا خط اچھا ہے وہ مضمون خوب لکھتی ہو لیکن روٹی پکانی نہیں آتی تو وہ کسی طرح بھی اچھی لڑکی نہیں سمجھی جا سکتی، اور نہ ہم اس کے تعلیم یافتہ ہونے پر فخر کر سکتے ہیں۔ اس سے تو وہ لڑکی اچھی ہے جو معمولی لکھنا پڑھنا جانتی ہے مگر خانہ داری کے اُصولوں سے واقف ہے۔ ہم کو اُس کا چٹکیلا مضمون نہیں چاہئے۔ ہم کو یہ ضرورت ہے کہ وقت مقررہ پر شوہر کے واسطے لذیذ کھانا تیار کرے۔

آج کل جبکہ ہر چیز پہلے کے مقابلہ میں گراں ہے مامائیں بھی بمشکل میسر آتی ہیں اور ایک ماما کا خرچ پندرہ بیس روپے سے کم نہیں۔ ایسی حالت میں اگر سو روپے ماہوار کی آمدنی میں سے یہ رقم نکل گئی تو سخت دقت کا سامنا ہو گا۔ اِس وقت ہم کو سب سے زیادہ اپنی لڑکیوں کو خانہ داری کے انتظامات کی تعلیم پہلے دینی ہے۔ اس کے بعد پڑھنے لکھنے کی ورنہ روز بروز ہماری حالت بگڑ جائے گی۔ اور بیویوں کی یہ لاپرواہی دن بدن ہماری غریبی اور افلاس کا باعث ہو گی۔

شوہر کی چاہ پر بیوی کی قربانی

بُری چیز کا ترک کرنا اور اچھی بات کا اختیار کرنا ہر معقول آدمی کے نزدیک درست ہے۔ بہت سی ایجادیں ہیں جو تہذیب جدید نے ہمارے تمدن میں شامل کر دیں۔ اور ہم ان کی بدولت آرام و آسائش سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر کوئی معقول آدمی ان نعمتوں سے یہ کہکر انکار کر دے کہ ان میں اندیشہ ہے۔ تو وہ عقلمند آدمی نہیں سمجھا جا سکتا۔ مثلاً ایک شخص کو دہلی سے بمبئی جانا ہے اور وہ یہ سمجھ کر کہ کہیں راستہ میں ریل ٹھہر نہ جائے اونٹ گاڑی میں سفر کرے تو ظاہر ہے کہ اُس کا یہ خیال معقولیت سے دور ہے۔ زمانہ روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ نئی نئی معلومات اور اختراعات بہم پہونچ رہی ہیں۔ ضرورت تو یہ ہے کہ وہ لوگ جو دن رات اِس دُھن میں غرق رہ کر اور ہر قسم کی تکلیف اُٹھا کر بنی نوع انسان کے واسطے بہت کچھ مہیا کر رہے ہیں۔ ان ہی کی طرح ہم بھی اسی قسم کی تحقیقات اور کوشش کر کے آیندہ دُنیا کے واسطے کچھ چھوڑ دیں اور جس طرح اس وقت ریل گاڑی کے ساتھ بنجمن فرینکلن کا نام روشن ہے ہمارا کوئی کام بھی ہم کو ہمیشہ زندہ رکھے۔ لیکن اگر ہم ایسے خوش نصیب نہیں ہیں تو کم از کم ان چیزوں سے واقعی فائدہ حاصل کریں اور اپنی غفلت سے ان نعمتوں کو بدنام نہ کریں اور جب تک ہم کسی نئی چیز کے استعمال کرتے وقت اس کے حسن و قبح سے پوری طرح باخبر نہ ہو جائیں ہاتھ نہ لگائیں ورنہ بجائے فائدہ کے نقصان ظاہر ہے

ایک ماں جو اپنے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچوں کو لے کر ریل گاڑی میں سفر کر رہی ہے اگر اس کو یہ معلوم نہیں کہ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد کھڑکیوں کا بند کرنا یا دیکھ لینا کہ اچھی طرح بند ہیں اس کا فرض ہے، یا کسی حادثہ کے وقت خطرہ کی زنجیر کھینچنے کا جو ہر درجہ میں موجود ہوتی ہے اور جس سے گاڑی فوراً ٹھہر سکتی ہے اس کو علم نہیں تو اس کو ریل میں بیٹھنے اور سفر کرنے کا ہرگز حق نہیں۔ اگر یہ صحیح ہے کہ اس قسم کی معلومات سے جو ہر روز زندگی میں بے خبر رکھنا والدین کی غفلت ہے تو یہ بھی غلط نہیں کہ ناواقف بیویوں کو اس قسم کی چیزوں میں بغیر کافی ہدایت کے پھنسا دینا شوہروں کی صریح لاپروائی ہے۔ ہمارے مرد اچھی طرح جانتے ہیں۔ اور جو نہیں جانتے ان کو جان لینا چاہیئے کہ مشرقی عورتیں خواہ وہ ملک کے کسی حصہ اور کسی قوم و مذہب کی ہوں شرم و حیا کی مجسم تصویریں ہیں مشرقی دودھ نے جو ان کی رگ رگ میں پیوست ہے ان کی شرافت کا انحصار حیا پر رکھا ہے۔ یہ پروانہ کی طرح آن پر جان دینے والی اور لاج پر قربان ہونے والی ہستیاں ہیں۔ ان کے سپرد ایسا کام کرنا جان بوجھ کر کنوئیں میں دھکیلنا ہے پرائمس سٹو یعنی انگریزی چولھا اکثر بہنوں نے دیکھا ہوگا اس پر ہلکا کھانا چاء وغیرہ بہت آسانی سے اور بہت جلد تیار ہوتا ہے۔ بجائے اس کے کہ چولہے میں آگ سلگاؤ، پھکنی رکھو دست پناہ ڈھونڈو اور پھوں پھوں کرو پرائمس سٹو میں سپرٹ ڈالی دیا سلائی دکھائی آگ تیار ہے جو چاہو پکاؤ۔ جو ضرورت ہو گرم کرو۔ گھنٹوں کا کام منٹوں میں تیار۔ میں پہلے کہہ چکی ہوں کہ کسی ایسی چیز کا استعمال جس کے حالات سے پوری واقفیت نہ ہو غلطی ہے اسکا ثبوت اس واقعہ سے ہوگا۔

اس جگر خراش داستان کے حالات اس طرح شروع ہوتے ہیں کہ ۲۷ اگست کو یعنی عین عید کے روز جب ہم سب عید کی خوشیاں منا رہے تھے

ہماری کوٹھی سے تیس چالیس قدم کے فاصلہ پر مسز و بنیبی لال ڈپٹی اسٹیشن ماسٹر اپنے شوہر کے واسطے دن کے تین بجے چا ر تیار کرنے اٹھیں۔ کوٹھی میں ایک سات سال کے بچہ کے سوا کوئی نہ تھا۔ جاہنار لڑکی نے جس کی عمر پندرہ سال تین مہینہ کی تھی۔ برائما سٹوو پر شوہر کی چاء تیار کی جب چاء ہوگئی تو سپرٹ کی بوتل جو قریب ہی رکھی تھی اٹھائی اور کھڑی ہوئی کہ لیجاکر رکھدے اتفاق سے بوتل ہاتھ سے چھوٹ کر ساڑی پہ گری سٹوو پاس ہی روشن تھا۔ سپرٹ اسپر بھی گری اور وہ فوراً بھڑکا۔ چونکہ ساری پر بھی سپرٹ گری تھی سٹوو کے شعلوں نے ساڑی کو پکڑا اور تمام ساڑی بھڑک اٹھی۔ یہ عجیب نازک وقت تھا۔ گھر میں ایک بچہ کے سوا جو اس معاملہ کو نہیں سمجھ سکتا۔ کوئی متنفس نہیں بیکس خاتون با وجود اس کے کہ جنوبی ہندوستان کی رہنے والی ہندو عورت تھی مگر شرم اور پردہ کی اس سختی سے پابند تھی کہ دیوار بیچ اور آدمی موجود تھے اور دیوار بھی دو ڈیڑھائی گز سے زیادہ بلند نہ تھی۔ مگر کسی کو مدد کے واسطے آواز نہ دی اور اپنے ہی ہاتھوں سے آگ بجھائی۔ ٹانگیں پیٹ ہاتھ سب جل گئے۔ منہ پر بھی دو نشان ہو گئے لیکن چیخ کی آواز نہ نکلی۔ اپنے ہاتھوں سے آگ بجھا کر اسی بے اختیاری کی حالت میں پانی کی بھری ہوئی ٹب نظر آئی اس میں جا پڑی۔ چار بجے جب شوہر چار پینے آیا اور اندر جانا چاہا تو ایک مری سی آواز جو سمجھ میں نہ آتی تھی سنائی دے رہی تھی اور دروازہ نہ کھلتا تھا۔ دیوار پر سے کود کر اندر گیا تو یہ کیفیت دیکھی۔ بابو دینی لال کا بیان ہے کہ بیوی کی یہ حالت دیکھ کر میں گھبرا گیا اور میری آنکھ سے آنسو نکل پڑے تو وہ کہنے لگی یہ وقت رونے کا نہیں ہے وقت ضائع نہ کرو بظاہر میرا سینہ اور دل دونوں محفوظ ہیں فوراً علاج شروع کرو۔ اسی وقت ڈاکٹر بلایا گیا اور عزیزوں کو تار بھیجدیئے۔ دوسرے روز جلنے والی بچی کی ماں آپہونچی۔ علاج نہایت غور سے

ہوا۔ تیمارداری بہت اچھی ہوئی مگر اجابت نہ ہونے کی وجہ سے ابخرات دماغ کو
چڑھے اور زبان بند ہو گئی۔ ڈاکٹر نے فوراً پچکاری کی رائے دی، مگر کوئی عورت
ایسی میسّر نہ آ سکی جو پچکاری دے سکتی۔ حالت لمحہ بہ لمحہ ردّی ہوتی گئی اور بالآخر
یہ قابلِ فخر خاتون چوتھے روز صبح کے وقت شوہر کی چارپائی پر قربان ہو گئی۔

مسز دینی لال چندر روز کی بیاہی ہوئی لڑکی تھی جس نے دُنیا کی کوئی بہار
نہ دیکھی اور نہایت ہمت و استقلال کے ساتھ دُنیا سے رخصت ہو گئی مگر ہم کو وہ
کچھ دکھا گئی اور ضرورت ہے کہ ہم اس قربانی میں دیکھیں کہ کیا نظر آ رہا ہے۔

جو بہنیں اس قسم کے چولہوں کا استعمال کرتی ہیں وہ روشن چولہے
کے پاس سپرٹ کبھی نہ آنے دیں۔

بہنیں جب باورچی خانہ میں جائیں تو ہرگز وہاں مٹی کے تیل۔ لیمپ
ڈبیا۔ لالٹین وغیرہ نہ رہنے دیں۔ بلکہ مٹی کا تیل۔ سپرٹ وغیرہ باورچی خانہ میں
نہ آنے پائے۔ جہاں انگیٹھیاں روشن ہوتی ہیں۔ خواہ سردی کی وجہ سے یا
کسی اور ضرورت سے وہاں یہ انتظام ہونا چاہیئے کہ ڈھیلے کپڑے پہننے والے
بالخصوص وہ بچّے جن کے جسم پر فراک ہوں انگیٹھی سے بہت دور رہیں۔

والدین جہاں لڑکیوں کی اعلےٰ تعلیم ضروری سمجھتے ہیں وہاں یہ
معمولی باتیں خانہ داری کی بھی سکھا دیں تاکہ جس طرح پُرانی مائیں بچّہ کی
پیدائش کے وقت پٹّی وغیرہ زچہ کے خود باندھ سکتی تھیں۔ اسی طرح
نئی مائیں نئی ضرورتوں سے واقف ہو جائیں اور یہ وہ معمولی باتیں ہیں جو
بلاتردّد محض توجہ سے حاصل ہو سکتی ہیں۔

جمنا کو دیکھ کر

رات تو چاندنی تھی مگر موسم سرد تھا اور سردی بھی معمولی نہیں خاصے اچھے جاڑے۔ کھانے سے فراغت پا کر میں باہر نکلی تو دیکھا چاندنی ایسی خوبصورتی سے در و دیوار پر پھیلی ہوئی تھی کہ دیکھتے ہی بے ساختہ دل لوٹا پوٹ ہو گیا۔ ہماری کوٹھی سے چند ہی قدم کے فاصلے پر جمنا بڑی آب و تاب سے بہ رہی تھی سردی نے ہمت پست کر دی تھی۔ مگر دل نے کچھ ایسا مجبور کیا کہ میں کنارِ دریا پہ پہنچی۔ چادرِ مہتاب بساطِ دریا پر بچھی ہوئی تھی اور پانی کی لہریں قدرت کے مقررہ کام کو پورا کر رہی تھی۔ درختوں کے پتے سرسرا رہے تھے۔ ہوا آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ اور جس وقت درخت کے نیچے میں بیٹھی ہوئی تھی چاند کی روشنی اس سے چھن چھن کر دریا کے پانی کے رُخِ تاریک کو روشن کر رہی تھی۔ رات خاموشی سے اپنا دورہ طے کر رہی تھی اور بیہودہ دنیا کی زندہ روحیں عالم خواب کی تیاریاں کر رہی تھیں۔ چاند اپنا کام کر رہا تھا۔ ہوا اپنا فرض پورا کر رہی تھی۔ اور کائنات دُنیا کا ہر ذرّہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف تھا۔ اس وقت میرے ذہن میں یہ شعر آیا ؏

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نہ خوری

واقعی نظامِ عالم کی ہر شے اپنے کام میں مصروف تھی۔ اور صرف انسان ہی

ایک ایسی چیز تھا جو مقصدِ حیات سے کوسوں دور تھا۔ اس غفلت میں جہاں تک میں نے غور کیا مرد کے مقابلہ میں عورت کا درجہ بہت بڑھا ہوا تھا۔ میں نے زیادہ غور سے دیکھا تو واقعی اپنے شوہر کے مقابلہ میں اس شعر کی زیادہ مصداق تھی۔ وہ ایک صبح سے دوسری صبح تک سوا نیند کے چند گھنٹوں کے اپنے کام یا کام کے فکر میں وقت گذارتے تھے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ میرے پاس بیٹھے ہیں مگر دھیان سرکاری کاموں میں پڑا ہوا ہے۔ ایک آٹھویں دن کی چھٹی اتوار کی تو ضرور مل جاتی تھی۔ مگر اول تو کام کی کثرت ہی سے اُن کو کچھ نہ کچھ دیر کے واسطے کچہری جانا پڑتا تھا۔ اور اگر یہ نہیں تو گھر ہی میں اتنا کام آجاتا تھا کہ دن ختم ہو جاتا کہ وہ آدھی رات تک بیٹھے کاغذ پیٹ رہے ہیں اور میں پڑی خراٹے لے رہی ہوں۔ اگر کچھ محنت تھی تو کھانے کے انتظام کی کہ اس میں البتہ ماماؤں کی نگرانی کرنی پڑتی تھی سو وہ اول تو کچھ ایسا کام نہ تھا اور اگر تھا بھی تو اپنے پیٹ کا۔ غرض جہاں تک میں نے سوچا ایمان کی بات یہ ہے کہ میں جان دار اُن بیجانوں سے جو خاموشی کے ساتھ اپنے کام کر رہے ہیں۔ ہزار درجہ بدتر تھی۔ اس خیال کے آتے ہی فوراً میں نے یہ فیصلہ کیا کہ ایسی زبردست محنت اور مشقت پر اور پسینہ پیدا کرنے والے مرد یقیناً ہماری خدمت اور عنایت کے مستحق ہیں۔ اور افسوس ہے مجھ جیسی اُن بیویوں کی حالت پر جو اپنے شوہروں کی محنت کی قدر نہیں کرتیں۔ مجھ کو اگر ایک ادنےٰ سی عورت کسی مجلس میں عزت کی نظر سے نہ دیکھے یا کوئی مالدار بی بی میری طرف متوجہ نہ ہو تو تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔ لیکن یہ بے چارے اپنے معمولی افسروں کے سامنے بھی ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں جس کا نتیجہ ہے کہ ہم اپنے گھروں میں بیٹھے راج کرتے ہیں میں نے

اس دن سے عہد کیا ہے کہ جہاں تک میرے امکان میں ہو گا اپنے شوہر کی خدمت میں کمی نہ کروں گی۔ وہ جب دن بھر کے تھکے ماندے شام کو گھر میں آتے ہیں تو میں گھر کی ملکہ یہ بھی اپنا فرض سمجھتی ہوں کہ اُن کی اچھی مونس اور غمگسار بیوی ثابت ہوں۔

تقسیم اوقات

منجھلی بچی ہاجرہ یوں تو کئی کئی دن سے سر ہو رہی تھی مگر خدا جانے آج صبح کو اُس کے دل میں کیا آئی۔ میں بیٹھی پان بنا رہی تھی۔ دوڑی دوڑی آگلے میں بانہیں ڈال کہنے لگی :-

"اچھی باجی آپا نانی جان کے ہاتھ کی کڑھی ہوئی گڑیا آج تو ضرور ہی نکال دو" کام تو بڑے جھمیلے کا تھا مگر بچی نے کچھ ایسے مزے سے کہا کہ مجھ سے انکار نہ ہو سکا۔ ارادہ تو دو تین دن سے کر رہی تھی مگر اللہ رکھے منظور دم بھر کو پیچھا نہ چھوڑتا تھا۔ آج خدا خدا کر کے وہ تو انا کی اُنگلی پکڑ باہر گیا اور میں نے برسوں کی بندھی گٹھڑیاں ہٹھڑیاں کھولنی شروع کیں۔ اُٹھی تھی گڑیا ڈھونڈنے، گڑیا ڈڑیا خاک نہ ملی۔ ہاں ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک بستہ ہاتھ لگ گیا۔ کھول کر دیکھتی ہوں تو کوارپنے کا روزنامچہ۔ اس وقت وہ باتیں کہانیاں معلوم ہو رہی تھیں۔ کیسے مزے کے دن تھے۔ سہے سہے نہ کہے کھے اپنی نیند سوتا اور اپنی نیند اُٹھنا۔ کسی کی منت نہ خوشامد بے فکری کا وقت آزادی کا زمانہ۔ آج ان باتوں کو بارہ اور بارہ چوبیس برس ہو گئے۔ عمر کا وہ حصہ ایک خواب تھا۔ آنکھ کھلی تو کچھ نہیں۔ اب وہ اطمینان کدھر اور وہ ناز اُٹھانے والے ماں باپ کہاں زمانہ بدل گیا۔ ہوا کچھ کی کچھ ہو گئی۔ ننھا سلیم کس طرح ہر وقت لپٹا رہتا تھا۔ اماں بعض دفعہ خفا بھی ہو جاتی تھیں مگر اس کو بغیر میرے چین نہ پڑتا تھا۔ آج وہی

سگا بھائی ہے۔ شہر کے شہر میں مہینوں ہو جائیں صورت دیکھنے کو ترسوں اور
اور کھڑے کھڑے آنا نصیب نہ ہو۔ رہی بہن اس بے چاری کا کیا قصور۔
کالے کوسوں حیدر آباد۔ بچوں ہی سے اتنا چھٹکارا کہاں کہ ہفتے کے ہفتے
خط لکھے۔ ساتھ کھیلی ساتھ پلی۔ برس دن کے فرق سے بیاہی گئی۔ آج اس سے
ملے چھ برس ہو گئے۔ دل نہ ہوا پتھر ہوا۔ کس کس کو یاد کروں وہ سماں
ہی درہم برہم ہو گیا۔

اسی بستہ میں ایک تختی ملی جس پر موٹے حرفوں میں اوپر لکھا ہوا تھا
لڑکیو! "وقت کی قدر کرو"۔ یہ وہ تختی تھی جو اماں جان نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر
بیچ کے طاق میں لگا دی تھی اور میرے تمام کاج کا وقت مقرر کر دیا تھا۔
گو خالی تو اب بھی کبھی بیٹھنا نصیب نہیں ہوتا۔ مگر اس وقت کے کاموں
اور اُس وقت کے کاموں میں آسمان زمین کا فرق تھا۔ جو شوق اور اُمنگیں
اُس وقت دل میں تھیں اب دُنیا کے فکروں نے سب زائل کر دیں۔ وہ
رفتار موٹر کار تھی اور اب کولہو کا بیل دن بھر چلوں شام کو پھر وہیں۔

اس تختی کو اماں جان موسم کے ساتھ تبدیل کیا کرتی تھیں۔ یہ
گرمیوں کی تختی تھی جس میں میرا وقت اس طرح تقسیم تھا:۔

تقسیم اوقات یا ٹائم ٹیبل

از		تا		کام
۵½	سے	۶½	تک	نماز و قرآن
۶½	"	۷	"	گھر کی صفائی
۷	"	۹	"	پکانا رندھنا
۹	"	۹½	"	مردوں کو کھانا کھلانا اور پان بنانے
۹½	سے	۱۰	تک	عورتوں کا کھانا نکالنا اور دینا
۱۰	"	۱۰½	"	کھانا کھانا
۱۰½	"	۱۱	"	آرام
۱۱	"	۱	"	خطوط، اخبار رسالے کتابیں

از	تک	کام
۱	½۲	لکھنا
۲	۲¼	ظہر کی نماز
۲¼	۳¾	سینا پرونا
۳¾	۴¼	غسل و نمازِ عصر
۴¼	۴½	پانی کی دیکھ بھال
۴½	۵	کھیل کود
۵	۵½	متفرق
۵½	۶½	کھانا پکانا
۶½	۷	تیل بتی
۷	۷½	نماز
۷½	۸	بچھونوں کی درستی
۸	۹	کھانا نکالنا اور تقسیم کرنا
۹	۹½	مردوں کو کھلانا اور سینا
۹½	۱۰	نمازِ عشا
۱۰	۱۰½	کتاب
۱۰½	۵½	سونا

جس دن سے ہوش سنبھالا اُس دن سے اور اُس وقت تک جب سسرال آئی مجھے یاد نہیں کہ اس تقسیم میں دُکھ بیماری یا کسی ایسے ہی اتفاق کے علاوہ کبھی ناغہ ہوا۔ تختی اُس وقت آگے تھی۔ اور کوار پنے کا زمانہ آنکھوں کے سامنے۔ کیا وقت تھا کہ پھر نہ آیا۔ اور کیا لوگ تھے کہ آج آنکھیں اُن کو ترس رہی ہیں۔ وہ برسات میں جھولوں کا پڑنا، کڑھائی کا چڑھنا، لہک لہک کر سہیلیوں کا ملہار گانا اور ابا جان کا شاباش دینا، سب ختم ہوگیا۔ بس یہ باتیں اُسی وقت کی تھیں اب تو دنیا کے جھگڑے ہیں اور ہم۔ ایک وہ وقت تھا کہ چودہ پندرہ گھنٹے کے کام میں بھی دل شیر تھا۔ ایک آج کا دن ہے کہ مامائیں نوکر چاکر سب موجود ہیں اور پھر بھی ہاتھ پاؤں ہر وقت ڈھیر کسی کام کرنے کی ہمت ہی نہیں۔ وہی میں ہوں کہ ابا جان کے لئے ٹھنڈے پانی کی بھری بھری صراحیاں لئے کوٹھے پر تین تین چار چار بار پھیرے کرتی تھی۔ اب یہ تو ایک لوٹا لے جانا دوبھر ہے۔ خدا بخشے اما باوا کو جن کی وجہ سے نماز کی عادت بھی پڑگئی۔ ورنہ ان ڈھنگوں کو تو نماز بھی جیسی ادا ہوتی ہیں ہی

جانتی ہوں یہ اُن کی شرافت ہو کہ وہ مُنہ پر نہیں لاتے مگر دل میں تو ضرور کہتے ہونگے کہ عجیب آرام طلب بیوی ہو۔ کام کی نہ کاج کی۔ ڈیڑھ سیر اناج کی۔ میرا یہ عذر کہ گود کے بچے ہی سے کبھی چھٹکارا نہ ہوا کتنا نامعقول ہو۔ عورت کا فرض صرف یہ ہی تو نہیں کہ بچّہ پال لیا۔ اگر میری طرح سب کریں تو دُنیا کے کام ہی ختم ہوتے۔ گو کھانا پکانے کے واسطے باورچی۔ کام کاج کے لئے ماما ئیں ہیں۔ مگر ہیں تو میری نگرانی میں۔ اُن کی نگرانی ہی تو اُن کے کاموں کی ذمّہ دار میں ہوں اور کیوں نہ ہوں جب میں ہی خاوند کے آرام کا خیال نہ کروں گی تو اُن کو کیا غرض پڑی ہے۔ میرے اوقات کی تقسیم کم سے کم ایسی تو ہو۔

سے	تک	کام	سے	تک	کام
۵½	۶	نماز و قرآن مجید	۲	۳	نماز کتابیں اخبار
۶	۶½	جھاڑو بہارو کی ہدایت ناشتہ کا انتظام اور ناشتہ	۳	۳½	شام کے کھانے کی ضروریات
۶½	۷	باورچی خانہ کی دیکھ بھال	۳½	۴¼	غسل۔ نماز
۷	۸	بچوں کی درستی	۴½	۵½	تفریح متفرق کام
۸	۹	ڈاک	۵½	۶½	بچوں کے کام
۹	۹½	کھانا کھلانا	۶½	۷	روشنی کا انتظام
۹½	۱۰	کھانا	۷	۹	شوہر کی ضرورتوں کا انتظام
۱۰	۱۱	ملاقات چھوٹے بچوں سے کام کی باتیں	۹	۹½	کھانا کھلانا
۱۱	۱۲	آرام	۹½	۱۰	کھانا
۱۲	۱	کپڑا لتّہ	۱۰	۱۰½	عشا کی نماز
۱	۲	آرام	۱۰½	[illegible]	[illegible]

یہ خیالی ڈھانچ تو خیر میں نے قائم کر لیا مگر کس منہ سے میرا دن تو اس طرح گذر رہا ہے اِدھر صبح ہوئی اُدھر شام۔ خدا بجّی کا بھلا کرے سارے دن ایک ٹانگ سے پھرتی ہے جو یہ کام سمٹ جاتا ہی۔ نہیں تو وہ مٹّی پلید ہوتی کہ آیا گیا تک ہنسی اُڑاتا۔ خیر کل سے اس تقسیم پر عمل کروں گی۔ اِس تختی کو سامنے رکھوں گی اور ہر وقت یہ پڑھوں گی :۔

"عورتو! وقت کی قدر کرو"

بیوی اس معزز لقب کی جو اسلام نے اُس کو عطا کیا یعنی گھر کی ملکہ اگر قدر کرے تو اس کے ذمہ کچھ فرائض بھی ہیں۔ اور جب تک وہ ان کو پوری طرح ادا نہ کرے ہرگز گھر کی ملکہ نہیں ہو سکتی۔ عید کے جو فرائض اس کے ذمہ ہیں وہ یہ ہی نہیں کہ وہ اپنا بیش قیمت جوڑہ تیار کرے۔ اور خواہ شوہر کی مالی حالت اجازت دے یا نہ دے۔ ایک غیر معمولی رقم اپنے لباس پر صرف کر دے اور ایک عید کے روز مہینہ بھر کی آمدنی بغیر اس فکر کے کہ کل کیا ہو گا خرچ کرے۔

جب عید میں آٹھ نو روزے رہ جائیں یعنی بیسویں روزہ کے بعد بیوی کو سب سے پہلے گھر کے بناؤ سنگار پر توجہ کرنی چاہیئے۔ یعنی مکان کی ظاہری حیثیت اس کی آمدنی سے کم نہ ہو۔ اگر اس کا شوہر دوسو روپیہ ماہوار بیوی کے ہاتھ میں دیتا ہے اور اُس کے گھر کی حیثیت شوہر کی آمدنی دوسو روپیہ نہیں بتا رہی تو وہ نہایت بدتمیز اور بہت پھوہڑ عورت ہے۔ یوں تو یہ اُصول ہمیشہ ہی کے واسطے مقرر ہے لیکن عید بقرعید پر اور ایسی قسم کے موقعوں پر گھر والی بیوی کو اپنے بناؤ سنگھار سے زیادہ گھر کے بناؤ سنگھار پر توجہ کرنی ضرور ہے۔

حفظانِ صحت کے اعتبار سے اگر دو تین مرتبہ نہیں تو کم از کم ایک

سال میں ایک مرتبہ گھر کی صفائی ہونی ضرور ہے۔ اگر پختہ گھر ہے تو قلعی اور کچا ہے تو لپائی۔ تاکہ عید کی خوشیوں میں گھر والی کے ساتھ گھر بھی شریک رہے۔ اس کے بعد اگر گھر والی کے ساتھ کچھ مسلمان نوکر چاکر متعلق ہیں تو اُن کی تنخواہیں کچھ روز پیشتر ادا کرنی مناسب ہیں تاکہ وہ بھی عین عید کے روز اپنی مالک کے ساتھ برابر کے شریک رہیں۔ اور جس وقت بیوی عید کی خوشیاں منا رہی ہو ان کی تیوری پر بل نہ آئے۔

اب گھر والی کے سامنے ایک چیز اور آتی ہے بشرطیکہ وہ با اختیار گھر کی ملکہ ہے اور برائے نام بیوی نہیں جس کو کوئی بوٹی اور نپا شوربا مل رہا ہو اور بیوی کہلا کر ماما کا کام کر رہی ہے کہ جو مل گیا وہ پکا دیا۔ اور جو حکم ہوا وہ پہن لیا۔ یہ چیز صدقہ فطر ہے۔ جس طرح ہندوؤں میں بھائیوں کی سلامتی اور مردوں کی تندرستی کا روزہ بہنیں اور بیویاں رکھتی ہیں۔ اسی طرح اسلام نے بھی اپنی اور اپنے متعلقین کی صحت کا عید کے موقعہ پر کچھ صدقہ مقرر کیا ہے۔ اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ عید کی خوشی سے غریب بھی محروم نہ رہیں اور یہ خوشی صرف امیروں پر ختم نہ ہو جائے۔

اس سلسلہ میں گھر والی بیگم کو اپنے عزیز اقارب ہمسایہ جان پہچان وغیرہ پر نظر ڈال کر دیکھنا چاہیے کہ کون زیادہ مستحق ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ فطر صرف عید ہی کے روز دیا جائے اگر پہلے ہی دیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ اس سے فراغت پا کر بچوں کے لباس کی ضرورت ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں درزیوں کی دکانیں عید سے دو ایک روز پہلے رات رات بھر کھلی رہ کر جہاں مسلمانوں کے افلاس کا مرثیہ پڑھتی ہیں وہاں با اختیار بیویوں کے پھوہڑ پنے پر ضرور آنسو گراتی ہیں۔ اگر کپڑے تیار کروانے ہیں تو چاہیئے کہ وقت سے پہلے انکا انتظام ہو جائے

اب بیوی کو اِن ضرورتوں پر غور کرنا ہے جو اس کے شوہر کی ہیں اور جس میں تھوڑا یا بہت اس کا ہاتھ بھی ہے۔ بعض مرد خوشبو وغیرہ کو پسند نہیں کرتے مگر اسلام نے اس کو اچھا بتایا ہے۔ اور اس کی بہتری اسی سے ثابت ہے کہ گرم موسم میں اس کا ہونا ہر اعتبار سے مناسب ہے۔ یہاں تک کہ صحت کے لحاظ سے بھی۔

اِن سب ضرورتوں کو پورے طور پر انجام دینے کے بعد بیوی بشرطیکہ قرض دام نہ لینا پڑے اپنے اوپر شوہر کے مشورہ سے جس قدر چاہے صرف کرے۔
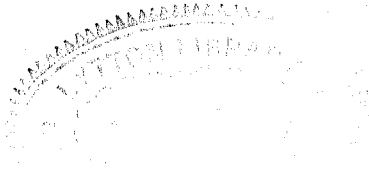
مکان کی زینت

بعض بیویوں کا یہ خیال ہے کہ ہماری مالی حالت اِس قابل نہیں کہ ہم گھر کو اچھی طرح بنا سنوار سکیں۔ ہماری آمدنی ہماری بڑی ضرورتوں ہی کو کافی نہیں۔ یہ چھوٹی موٹی ضرورتیں پوری کریں تو کیونکر۔ مگر میں اُن سے نہایت ادب سے عرض کرتی ہوں کہ جس طرح وہ آپ کپڑا پہننا یا بچوں کو پہنانا ضروری سمجھتی ہیں۔ اسی طرح مکان کو کپڑا پہنانا کیوں ضروری نہیں سمجھتیں۔ جس طرح انسان کی زینت لباس ہے اسی طرح گھر کی زینت سامان سے۔ گھر چھوٹا ہو یا بڑا۔ کچا ہو یا پکا۔ گھر والی کی توجہ کا محتاج ہے۔ کتنا ہی چھوٹا پُرانا اور کچا کیوں نہ ہو اگر کوشش کی جائے تو خوشنما ہو سکتا ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ میز کرسیاں نواڑی پلنگ مسہریاں الماریاں آئینے ہی نصیب ہوں تو گھر کی زیب و زینت ہو سکتی ہے۔ اگر ڈھنگ سے بچھایا جائے تو معمولی ٹاٹ سفید چادر ہی گھر کی شان کچھ اور کر دے گی۔ اور بے ڈھنگے پنے سے تو نواڑی مسہری کیا چاندی کا چھپر کھٹ بھی کوڑا معلوم ہوگا۔ ایک پُرانی مثل ہے۔ "سُگھڑ کی جھاڑ و پھوہڑ کا لیپا" سُگھڑ اگر جھاڑو بھی دے گی تو گھر چندن کر دے گی۔ مجال ہے کہ فرش پر تنکا ٹوٹا پڑا ہوا دکھائی دے۔ اور پھوہڑ اگر لیپے گی بھی تو حالانکہ لیپنے سے زمین یا دیوار اچھی معلوم ہونی چاہیئے۔ مشہور مثل ہے لیپنے پوتنے سے تو دیوار بھی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن پھوہڑ کا ہاتھ لگے گا تو وہ اسکو بھی بدنما کر دے گی۔

لڑکیاں کسی کام کو فرض سمجھکر اگر بیگار ٹالیں گی تو وہ کام خود ہی اُن کو اچھا نہ معلوم ہوگا۔ دوسرے تو الگ رہے۔ یہ عذر کہ ہمارا گھر اس قابل ہی نہیں کہ ہم اس کو سنوار سکیں یا ہماری مالی حالت اتنی اجازت نہیں دیتی کہ ہم اُس پر کچھ صرف کر سکیں معقول نہیں ہے۔ گھر تم سے یہ نہیں کہتا کہ تم اپنا اور بچّوں کا پیٹ کاٹ کے مجھے کھلاؤ۔ وہ صرف تمہاری عنایت کا طلبگار ہے۔ تمہارے ہاتھ پاؤں ہلانے کی دیر ہے زینت وہ آپ پیدا کرلے گا۔ جتنی تم اُس پر محنت کروگی اُس سے زیادہ وہ تمہارا نام روشن کرے گا تمہیں پھوہڑ بننے کی ذلت سے بچائیگا۔ غور کرنے کی بات ہے اگر تم خود خالی کان سونٹا سے ہاتھ ننگی بُچّی بنکر بیٹھ جاؤ تو کیسی معلوم ہوگی۔ اسی طرح جب تک گھر کو حیثیت کے موافق درست نہ کروگی تو یقیناً وہ تم کو رُسوا کرے گا۔

فرش کی اگر احتیاط کرو تو برسوں کام آنے والی چیز ہے۔ دالانوں یا کمرے کے فرش کو جاجم ہو یا قالین، دری ہو یا چاندنی، باہر کی خاک سے بچاؤ۔ پردے ڈالو چلمنیں چھوڑو، کواڑ بھیڑو۔ کم سے کم گھر میں ایک جگہ تو ایسی ہو جہاں آیا گیا اچھی طرح بیٹھ سکے۔ کوشش کرو کہ بچّے وہاں نہ جانے پائیں اگر روز جھاڑ دے لے۔ ہفتہ میں ایک دفعہ باہر نکال کر جھاڑ لو تو ایک ہی فرش مہینوں کام دیگا۔

قالین کا اگر رنگ ماند پڑ جائے یا پُرانا ہو کر گھس جائے تو یہ انتظام کرنا چاہیئے۔ پہلے اُس کو خوب اچھی طرح جھاڑ لیں کہ گرد باقی نہ رہے۔ پھر کسی صاف جگہ پر بچھا کر بلاک گال مکسچر کو تھوڑے سے پانی میں ملانا چاہیئے اور اونی کپڑے یا فلالین کو اُس پانی میں اچھی طرح ڈبو کر قالین پر رگڑنا چاہیئے۔ یہ کپڑا تمام میل کچیل جذب کرلے گا اور قالین بالکل اُجلا معلوم ہوگا۔ لیکن خشک کرتی دفعہ اتنا لحاظ رہے کہ کوئی چُرس وغیرہ نہ پڑنے پائے۔

ایک تندرستی ہزار نعمت

بیماری فقط تکلیف ہی نہیں روپیہ کی ضائع کرنے والی تکلیف ہے جو اکثر حالتوں میں محض ذراسی لاپروائی یعنے گھر کی صفائی کا پورا خیال نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ شروع بہار میں گلے کے خراش کی عام شکایت لوگوں کو ہوتی ہے یا اسی قسم کی اور تکلیفیں موسم کے بدلنے پر شروع ہوتی ہیں۔ لیکن اگر گھر والی گھر کی طرف اچھی طرح متوجہ ہو تو ان تکلیفوں میں بہت کچھ کمی ممکن ہے۔ دروازوں اور کھڑکیوں کو ہمیشہ اس خیال سے بند رکھنا کہ باہر کی گرد اندر نہ آنے پائے ایک قسم کی نادانی ہے۔ کیونکہ تازہ ہوا کو اندر داخل ہونے کا کوئی راستہ نہ ملیگا۔ کپڑوں کو بھی اس خیال سے کہ میلے نہ ہوں اتارتے ہی تہ کر کے رکھدینا حفظ صحت کے اعتبار سے درست نہیں۔ یادر کھو کہ صحت کا دارمدار تازہ ہوا پر ہے۔ اسکو کمروں میں آنے دو اور کپڑوں میں رہنے دو۔ اگر کپڑے رات کو اتار کر کرسی پر پھیلا دو۔ یا کھونٹی پر لٹکا دو تو صبح کے وقت ان میں بہت اچھی ہوا ہوگی۔ اگر موسم اچھا ہے اور آندھی نہیں ہے تو گھنٹہ دو گھنٹے کے واسطے کپڑوں کو باہر ہوا میں رکھدو۔ خانہ داری کی تمام چیزوں پر گھر کی بیوی کو متوجہ رہنا چاہیئے۔ اور کسی کونہ میں سیل وغیرہ نہ ہونی چاہیئے۔

ہوا کو صاف کرنے کے واسطے اگر اسمیں کوئی خرابی ہو تو کوئلہ بہت اچھی چیز ہے۔ ٹوکری میں رکھکر لٹکا دینا کافی ہے۔ سیل کے کونے میں چونا جس پر

پانی نہ پڑا ہو ڈال دینا چاہیئے تاکہ ہوا خراب نہ ہونے پائے۔ دس سیر پانی میں ایک یا دو ماشہ پھٹکری یا چونہ ملاکر بارہ گھنٹے کے قریب رکھدیں اور پھر نتھار کر پیئیں تو صحت کے واسطے بہت مفید ہے۔

گرمی اور برسات میں کھانے پینے کی چیزوں میں بہت توجہ کی ضرورت ہے۔ دودھ ہمیشہ صاف شفاف برتن میں ڈھکا رہنا چاہیئے۔ گوشت۔ پنیر مچھلی وغیرہ جس قدر دودھ سے دور رکھے جائیں اچھا ہے۔

کھانا کھانے کے بعد فوراً پانی پینا مضر ہے۔ اور اسی طرح گرم کھانا کھانے میں سرد پانی بھی اچھا نہیں۔ (ترجمہ)

ہوا

JHAWA

دُنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں ہوا نہ ہو۔ اِنسان اور حیوان کی زندگی کا تمام دارومدار اسی پر ہے۔ اور ہوا ہی ایسی چیز ہے جو اگر دم بھر کو بھی میسر نہ آئے تو زندگی ہرگز قایم نہ رہ سکے۔

حکماء نے ہوا کی تقسیم چار حِصّوں میں کی ہے۔
اکسیجن۔ کاربن (کاربونک ایسڈ)۔ نائٹروجن۔ ہائڈروجن۔

اکسیجن وہ ہوا ہے جو ہر سانس کے ساتھ ہمارے پیٹ میں داخل ہوتی ہے۔ اور کاربن وہ جو ہر سانس کے ساتھ ہمارے پیٹ سے خارج ہوتی ہے۔

اکسیجن کے بغیر نہ کوئی جان زندہ رہ سکتی ہے۔ نہ لیمپ جل سکتے ہیں۔ نہ آگ روشن ہو سکتی ہے۔

کاربن ہوا کا وہ حصّہ ہے جو درخت ہمیشہ جذب کرتے ہیں اور انسان کے واسطے اچھی ہوا یعنی آکسیجن کا ذخیرہ چھوڑ دیتے ہیں۔

گاؤں والیاں تازہ اور صاف ہوا میں رہتی ہیں اُن کی صحت اسی وجہ سے شہر والیوں کے مقابلہ میں اچھی ہوتی ہے۔ جو شہری عورتیں کام کاج بھی نہ کریں آٹے کی آپا بنی بیٹھی رہیں، ہاتھ پاؤں نہ ہلائیں پھر اُنکے مکانات بھی گندی تنگ گلیوں میں ہوں صحن کشادہ نہ ہوں روشنی اور ہوا کی آمد و رفت کا معقول انتظام نہ ہو ان کی صحت خراب اور چہرے پژمردہ اور زرد نہ ہوں گے تو اور کیا ہوگا۔

پانی

دُنیا کی اُن نعمتوں میں سے جو زندگی کو قائم رکھتی ہیں پانی بھی ہے جس طرح ہوا کے بغیر آدمی چند لمحے زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح اگر پانی بھی نہ ہو تو تڑپ تڑپ کر مر جائے۔ لیکن تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ یہی پانی جو زندگی کا سبب ہے بعض دفعہ موت کا باعث بھی ہو جاتا ہے۔ جب کسی شہر یا گاؤں میں طاعون

ہیضہ یا اور قسم کی وبا آتی ہے تو اُس کے دو سبب ہوتے ہیں۔ ہوا میں زہریلا مادہ اور پانی میں جراثیم۔ یعنے زہر کے کیڑوں کا پیدا ہونا۔ اسی لئے وہاں کے رہنے والے آب و ہوا تبدیل کرنے کی غرض سے اُس مقام سے چلے جاتے ہیں۔ لیکن زیادہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ہوا میں یہ زہریلی خرابی بھی پانی کی وجہ سے ہوتی ہے اور پہلی خرابی پانی ہی کی ہے۔

ناقص چیزوں میں (جیسے گوشت کا خراب حصہ جڑی بوٹی نباتات یا اور سڑنے والی اشیاء) جب پانی ملتا ہے تو زہریلا مادہ پیدا ہوتا ہے جو اُڑ کر ہوا میں ملتا ہے اور اُس کو بھی خراب کر دیتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کنوؤں میں ایسی چیزیں جا پڑتی ہیں جو سڑ کر ہوا کو خراب کرتی ہیں۔ تالابوں اور جوہڑوں میں ایسا ہی ہوتا ہے اور محکمہ حفظانِ صحت دوائیں ڈال کر پانی کے نقص کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

گھروں میں بھی جب پانی کی احتیاط نہ کی جائے تو اس خرابی کا پیدا ہونا ممکن ہے۔ اس لئے گھر والی کا مکر فرض ہے کہ وہ پانی کے استعمال میں کافی احتیاط کرے۔ تاکہ گھر کے لوگ اس کی لاپروائی کا شکار نہ بنیں۔

جن گھروں میں کیچڑ کے تودے لگے رہتے ہیں ان کی ہوا ہرگز صاف نہیں رہ سکتی۔ پانی کے واسطے ضرور ہے کہ جب نہائیں ہاتھ منہ یا برتن وغیرہ دھوئیں تو دھوون کو ایسی جگہ ڈالیں کہ وہ موری میں چلا جائے۔

گھر کی صفائی کا سب سے بڑا جز صحت کا انتظام ہے اور اسکی ذمہ دار صرف گھر کی بیوی ہے۔

پانی اور پانی کے مٹکے

یہ تو شاید سب بہنیں جانتی ہوں گی کہ زندگی قائم رکھنے کے واسطے جو چیزیں لازمی ہیں اُن میں سے ایک پانی بھی ہے۔ لیکن یہ شاید بعض کو نہ معلوم ہو اور معلوم ہو تو اس طرف توجہ نہ ہوتی ہو کہ صحت کو برباد۔ اور تندرستی کو غارت کرنے کے جو سامان ہیں اِن میں ایک پانی کی بے احتیاطی بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز پر زندگی کا دارومدار اور صحت کا انحصار ہو اُس کی ہم جس قدر زیادہ احتیاط کریں وہ بھی کم ہے۔ کیونکہ ایک ذراسی لاپروائی میں تندرستی جو دُنیا میں سب سے بڑی نعمت ہے کھٹائی میں پڑ جاتی ہے اور اس کی سچی قدر اُسی وقت ہو سکتی ہے جب درد کے مارے سر پھٹا جا رہا ہو اور بخار کے سبب سے بدن جھلس رہا ہو۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ بیماری نتیجہ ہوتا ہے ہماری بے اعتدالی اور لاپروائی کا۔ اور یہ ہمارا فرض ہے کہ جو ممکن احتیاط ہمارے ہاتھ میں ہو اِس سے کبھی غفلت نہ کریں۔

اِس وقت بحث پانی سے ہے جو صاف شفاف ہو تو زندگی کا لازمی جزو اور اگر خراب اور ناقص ہو تو سو بیماریوں کی جڑ ہے۔ چونکہ خانہ داری کی ذمّہ دار عورت سمجھی گئی ہے۔ اِس لئے اگر پانی کسی گھر میں اچھا نہ ہو تو گھر والی کی لاپروائی اور غفلت کا قطعی ثبوت ہے۔ بعض جگہ پانی کے مٹکے ایسی صورت میں نظر آتے ہیں کہ دیکھ کر جی متلاتا ہے۔ مٹکے کی رنگت تک تبدیل ہو گئی

مگر مٹکا تبدیل نہ ہوا۔ کائی کی تہ جم گئی ہے۔ مگر نہ مٹکے کو پنشن ملتی ہے نہ گیرو کے دو ہاتھ پھرتے ہیں۔

جس مٹکے کی ظاہری حالت یہ کچھ ہے اُس کی اندرونی حالت کیسی کچھ ہوگی۔ کون سمجھ سکتا ہے کہ اس کا پانی صاف ہوگا اور صحت کے واسطے مضر نہ ہوگا۔

پانی کے واسطے پہلی کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ مٹکا۔ گھڑا۔ صراحی۔ غرض جس چیز میں رکھا جائے اُس کا کوئی خراب اثر نہ پڑے۔ برتن کی طرف سے اطمینان ہوجانے کے بعد دوسرا کام یہ ہے کہ بیرونی آمیزش سے محفوظ رہے۔ صراحی ہو تو منہ بندھا ہوا۔ مٹکا ہو تو چینی ڈھکی ہوئی ورنہ ہوا کوڑا کرکٹ مٹّی کے ذرّے سب داخل کردے گی اور پانی بالکل ناقص ہوجائے گا۔ اگر مٹکے ہفتہ میں ایک آدھ دفعہ دھو کر صاف نہ کئے جائیں تو گاد اور کیچڑ کے علاوہ پانی میں یقینی ایسے کیڑے پڑ جائیں گے جو خاصی اچھی طرح تیرتے دکھائی دینگے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ پیٹ میں داخل ہوجائیں۔

ہیضہ۔ وبائی بخار۔ طاعون۔ غرض وبائی امراض زیادہ تر صرف پانی کی بے احتیاطی سے پیدا ہوتے ہیں اور معمولی لاپروائی وہ زبردست نقصان کرتی ہے جس کی تلافی نہیں۔

رات کے وقت اندھیرے میں پانی بغیر دیکھے پی لینا بڑی غلطی ہے ظاہر ہے کہ تنکا پھونس غرض جو کچھ پانی میں ہوگا وہ سب پیٹ میں پہنچے گا۔ اور یہ ممکن ہے کہ کوئی چیز نہایت مضر بھی ہو۔

غرض پانی کی احتیاط گھر والی کا فرض ہے۔ وہ آلہ جسے فلٹر کہتے ہیں اور

ف۱ اگر نیا مٹکا منگوانے کی استطاعت نہ ہو تو گیرو مٹی کے پھیرنے سے مٹکا اُجلا ہوجاتا ہے ۱۲

جس سے پانی صاف ہوتا ہے ہر گھر میں میسر نہیں ہو سکتا۔ لیکن ذرا ہاتھ پاؤں ہلانے سے ہر جگہ پانی ستھرا اور پینے کے قابل ہو سکتا ہے۔ بعض آدمی یہاں تک احتیاط کرتے ہیں کہ پانی کو جوش دے لیا اور جب گادمٹی وغیرہ نیچے بیٹھ گئی کپڑے میں چھان لیا یا اوپر سے نتھار لیا۔ کیڑے وپڑے جو کچھ ہوں گے سب مر جائیں گے۔ جب پانی کو صاف برتن میں بھر لیا اور منہ ڈھانک دیا پھر کسی قسم کا اندیشہ نہیں۔

صحت خراب کرنے کے علاوہ پانی سے لاپروائی گھر والی بیوی کی سخت بدتمیزی ہے۔ اگر کوئی ایسی بیوی جس کے مزاج میں نفاست یا احتیاط ہوئی اور اسے پانی کی ضرورت ہوئی تو وہ اس کے سوا اور کیا کرے گی کہ پیاسی بیٹھی رہے اور کراہیت کی وجہ سے پانی نہ پیئے۔

بعض لڑکیوں میں یہ عادت دیکھی ہے کہ گرمی کے موسم میں کٹوروں کے کٹورے اور گلاسوں پر گلاس غٹاغٹ چڑھا رہی ہیں۔ حالانکہ یہ نہایت مضر طریقہ ہے۔ کھانا کھانے کے بیچ میں اگر پانی نہ پیا جائے تو صحت کو بہت مفید ہے۔ لیکن اگر پیاس لگے یا نوالہ حلق میں اٹک جائے تو تھوڑا پینے میں مضائقہ نہیں۔

غسل خانہ

ظاہر ہیں تو گھر کے بہت سے حصے ایسے ہیں جن پر اگر گھر والی بیوی توجہ نہ کرے تو کوئی نام نہ رکھے گا۔ لیکن غور سے دیکھو تو یہ لاپروائی سخت نقصان پہنچا سکتی ہے۔ دور کیوں جاؤ غسلخانہ ہی کو لے تو بغیر اس میں جانے سے رہے۔ آنے جانے والوں کی نگاہ اندر کے حصہ پر پڑنے سے رہی۔ نہائیں گے یا منہ دھوئیں گے تو گھر والے۔ یا کبھی کبھار کوئی آ گیا مہمان۔ مگر ایک موٹی سی بات سوچنی چاہئے۔ اگر پانی کے نکاس کا پورا انتظام نہ ہوا تو چند روز میں غسل خانہ کیچڑ سے اٹا ہوا ہو گا۔ ہوا اس سے خراب ہو گی۔ مکان کی دیواروں میں پانی اس سے مرے گا۔ بلکہ چند روز میں یہ حالت ہو گی کہ گھسا نہ جائے گا جس طرح گھر کے اور ضروری حصہ صاف رکھنے کے قابل ہیں اسی طرح غسل خانہ بھی۔ جہاں سب سے پہلے یہ احتیاط رکھنی چاہیئے کہ پانی ہرگز جمع نہ ہونے پائے۔ پانی کے جانے کا جو راستہ ہے وہاں جھاڑ جھنکاڑ نہ پڑے ہوتے ہوں۔ جتنا پانی پڑے وہ فوراً نکل جائے۔ اس کے بعد پانی کا انتظام ہے۔ گو گرمی کے دنوں میں ٹھنڈے پانی سے نہانا ہاتھ پاؤں دھونے منہ پر چھپکے مارنے اچھے معلوم ہوتے ہیں لیکن گرمی ہو یا جاڑا نہانے کے واسطے گرم پانی ہو تو بہت اچھا ہے۔ اگر غسل خانہ میں نل یا ٹونٹی ہے تو نہانے والے کا پہلا کام یہ ہے وہ دیکھ لے کہ جتنے پانی کی ضرورت ہے وہ غسل خانہ میں موجود ہے۔ پانی کے بعد منجن۔ مسواک۔ برش۔ ان چیزوں کا

غسل خانہ میں موجود رہنا بہت اچھا ہے۔ اگر کوئی مہمان آیا ہوا ہے اور اُس کو غسل میں منجن یا صابون وغیرہ کی ضرورت ہو تو مانگنے کی نوبت نہ آئے۔ اس کے ساتھ ہی آئینہ۔ تیل کنگھا۔ کنگھی بھی ضرور ہو۔ تولیہ یا کوئی اور کپڑا اس غرض سے موجود رہنا چاہیئے کہ غسل کے بعد جسم کو فوراً صاف کر لیں۔ ممکن ہو تو ایک کھڑکی بھی غسل خانہ میں ضرور ہونی چاہیئے۔ جو خراب ہوا کو باہر نکال کر اچھی ہوا کو اندر پہنچاتی رہے۔

ہمارے جسم میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں چھوٹے چھوٹے سوراخ ہیں۔ جن کو مسامات کہتے ہیں۔ جن میں سے بدن کی غلاظت نکلتی رہتی ہے جب تک ہم اُن کو صاف اور کھلا ہوا نہ رکھیں گے یہ اپنا کام نہیں کر سکتے۔ اس لئے ضروری ہے کہ صاف پانی اور صابون کا ہم اکثر استعمال کریں۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ میل کے دور کرنے کے لئے صابون اور گرم پانی سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔

ہمارے ہندوستانی گھروں میں اکثر پٹڑا غسل خانہ میں بیٹھکر نہانے کے واسطے ہوتا ہے۔ یہ نہایت مفید اور اچھی چیز ہے۔ لیکن نہانے کے بعد اس کو اسی حالت میں چھوڑ دینا مناسب نہیں فوراً خشک کر دینا چاہیئے۔

یہ بات یاد رکھنی ضرور ہے کہ غسل خانہ نہانے کی جگہ ہے یہ نہیں کہ میلے کپڑوں کا ڈھیر وہیں لگا دیا۔ ہر روز صبح کو جس طرح گھر میں جھاڑو ملتی ہے غسل خانہ میں بھی ملنی چاہیئے۔ نہانے کا پانی ہمیشہ صاف ہو۔ دھوپ میں گرم کیا ہوا پانی مفید نہیں بلکہ مضر ہوتا ہے۔

باورچی خانہ

خدا جانے بعض بہنوں کی طبیعت کس قسم کی ہوتی ہے کہ وہ اپنے پہننے اوڑھنے میں تو کسی طرح کا فرق نہیں آنے دیتیں۔ شادی بیاہ میں۔ جلسے پارٹیوں میں جہاں دیکھو ماشاء اللہ کپڑا بھی زیور بھی ہر چیز فوق البھڑک اُجلی اور نئی۔ لیکن اگر مکان جا کر دیکھو تو کچھ بھی نہیں۔ زیبائش اور صفائی تو الگ رہی اتنی تک توفیق نہیں کہ کوئی ڈھنگ کا بچھونا تو ہو۔ میری رائے میں ایسی بیویاں نہ صرف غلطی پر ہیں بلکہ بہت بڑے الزام کے قابل ہیں۔ اور اس الزام کا اُن کے پاس کوئی معقول جواب نہیں۔ تعجب ہے کہ اپنی صفائی کا تو اتنا لحاظ رکھیں اور مکان کی صفائی کا مطلق خیال نہ کریں۔ مکان کا ہر حصہ اس قابل ہے کہ اُس پر خاص طور سے توجہ کی جائے۔ مثال کے طور پر باورچی خانہ ہی کو لے لو۔ ظاہر میں تو یہ بالکل ہی معمولی چیز ہے۔ کوئی آنے جانے والا وہاں نہیں بیٹھتا۔ کسی ملنے جُلنے والی سے اس سے واسطہ نہیں۔ لیکن یاد رکھو۔ اگر باورچی خانہ کا معقول انتظام نہ کرو گی تو نہ صرف گھر ہی کی بدنامی ہو گی بلکہ صحت کو سخت نقصان پہنچے گا۔ سب سے پہلی اور سب سے بڑی احتیاط یہ ہے۔ کہ باورچی خانہ کے آگے ایک ایسی چک یا پردہ پڑا رہے جس سے اندر کی چیز باہر والوں کو نظر نہ آسکے۔ اس سے کوئی بہن یہ نہ سمجھیں کہ نظر گذر کا خیال ہے۔ نہیں بلکہ اس میں دو فائدے ہیں۔ پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ باہر کی چیز خاک کے ذریعہ سے اندر آ کر کھانے میں نہیں پڑ سکتی نہ خاک آسکتی ہے۔ دوسرے

کسی شخص کو یہ علم نہیں ہو سکتا کہ کیا پک رہا ہے۔ گھی کتنا ہے وغیرہ وغیرہ۔ کم ہو تو کیوں بھرم گیا۔ زیادہ ہو تو کسی کو معلوم ہونے کی ضرورت کیا۔ برتن جن میں کھانا پکے صاف دُھلے ہوئے قلعی دار ہونے چاہئیں تاکہ کسیاؤ سے پکا پکایا کھانا خراب نہ ہو جائے۔ اگر کھٹائی یا نیبو وغیرہ کا استعمال کرنا ہے تو تانبے کے برتن میں اسکی مقدار اتنی زیادہ نہ ہو کہ قلعی زائل کر دے۔ اگر ممکن ہو تو پانی کا انتظام باورچی خانہ ہی میں کر لینا چاہیئے یعنی نل کی ٹونٹی وہاں موجود ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو ایک بڑے برتن میں وہاں پانی رکھ لینا چاہیئے تاکہ پانی کے واسطے گھڑی گھڑی باہر نہ جانا پڑے۔ ایک الماری ہر وقت باورچی خانہ میں ایسی موجود رہنی چاہیئے جس میں ضرورت کی تمام چیزیں رہ سکیں۔ ایک اور الماری دُھلے دُھلائے برتنوں کے واسطے ہونی ضروری ہے تاکہ برتن خراب نہ ہوں۔ انگریزی باورچی خانوں میں ایک میز ضرور ہوتی ہے تاکہ اُسپر برتن وغیرہ اچھی طرح رکھے جا سکیں۔ اگر ہمارے ہاں یہ انتظام ممکن نہ ہو یا جگہ کافی نہ ملے تو ایک چھوٹی سی چوکی اس کام کے واسطے بہت اچھی ہے۔ بعض مامائیں یا گھر والی بیویاں اس بات کا مطلق لحاظ نہیں کرتیں کہ پانی باورچی خانہ کے آگے پھینک دینے سے کتنا نقصان ہوتا ہے۔ یہ کیچڑ بیماریوں کی جڑ ہے۔ اور ہر گھر والی کو اس کی سخت احتیاط کرنی لازم ہے کہ پانی باورچی خانہ سے بہت دور موری وغیرہ پر پھینکنا چاہیئے تاکہ صحن میں ٹھہر کر وہ غلاظت پیدا نہ کرے۔

باورچی خانہ کا دُھواں ایسی چیز ہے جو گھر کی صفائی کو بالکل غارت کر دیتا ہے جہاں تک ممکن ہو باورچی خانہ بیٹھنے اور سونے کے کمروں سے دور ہونا چاہیئے تاکہ دھوئیں سے کوئی چیز خراب نہ ہو۔ ایک ہی برتن کو مختلف کاموں کے واسطے استعمال کرنا بھی مضر ہے۔ سٹو و یعنی انگریزی چولھے جن پر ہنڈیا پکتی رہتی ہے

اور لیمپ کی طرح چولھا جلتا رہتا ہے۔ بعض تکلیفوں سے بچانے والی چیز ہے لیکن معمولی چولھے بھی جہاں تک ممکن ہو اچھی حالت میں رہنے چاہئیں۔ ٹوٹا ہوا میلا کچیلا چولھا بہت بُرا معلوم ہوتا ہے۔ کچھ نہیں تو مہینہ میں دو دفعہ تو لیپنا پوتنا چاہئے تاکہ اُس کی سیاہی وغیرہ کا اثر دور ہو جائے۔ بعض لڑکیاں آگ سُلگانے کے وقت مٹی کا تیل ڈال کر دیا سلائی دکھا دیتی ہیں۔ اور چولھے کے پاس بیٹھی رہتی ہیں۔ یہ تیل کا بھپکا کبھی کبھی ناک میں چڑھ کر دماغ کو سخت تکلیف دیتا ہے۔ جب تک تیل جلے وہاں نہ بیٹھنا چاہیئے۔ جیسا میں نے اوپر بیان کیا باورچی خانہ ایسی جگہ نہیں کہ اُسمیں کوئی آدمی آکر بیٹھے۔ لیکن اگر وہ گھر کے اندر ہے اور چونکہ ہوتا ہے اس لئے آنے جانے والے کی نظر پڑنی بہت آسانی سے ممکن ہے۔ لہٰذا وہ بھی صفائی کا گھر کی طرح محتاج ہے پھکنی دست پناہ وغیرہ تمام چیزیں اچھی حالت میں قرینہ سے رکھنی جیسی اچھی معلوم ہوں گی پھیلی ہوئی اور میلی کچیلی ایسی اچھی نہ معلوم ہوں گی۔

پٹاری یا پاندان

بعض بیویوں کو پان کھانے کا تو یہاں تک شوق ہوتا ہے کہ ہر وقت گلوری منہ میں ٹھنسی۔ کھانے کو دیر ہو جاتے تو ہو جائے مگر زردہ ناغہ نہ ہو۔ لیکن پٹاری کی یہ گت ہوتی ہے کہ دیکھنے سے گھن آئے۔ کتھا چونا ملا ہوا۔ چھپیاں بھری ہوئی۔ گردی پھٹی ہوئی۔ ڈبیاں ہیں تو ڈھکنے نہیں۔ اور لگنی ہے تو صافی نہیں۔ اس سے زیادہ پھوہڑپنا اور کیا ہوگا کہ اپنے شوق کی چیز اور ایسی ابتر۔ کوئی ملنے والی آ گئی تو اُس کے لئے یا اس کے سامنے اپنے لئے پان بنانے کی ضرورت ہوئی تو وہ پٹاری کو دیکھکر کیا کہے گی۔

پہلے تو یہی طے ہونا چاہیئے کہ پان کھانے سے فائدہ ہے یا نقصان۔ اگر یہ صحیح ہے کہ پان خون پیدا کرتا ہے۔ یا کھانا کھانے کے بعد منہ صاف کرنے کے لئے اچھی چیز ہے۔ تو اس میں کلام نہیں کہ اس بدتمیزی سے پان کھانا کہ پیک باچھوں سے بہ رہی ہے اور ہونٹ سُرخ انگارا ہو رہے ہیں سخت عیب ہے۔ کھانے کے بعد پان کھانا مگر اس احتیاط سے کہ ہونٹ سُرخ نہ ہوں۔ کوئی عیب نہیں۔ رہا زردہ یہ تو سب جانتے ہیں کہ زردہ کھانے والوں کے منہ سے زردہ کی بو آتی ہے۔ دانت خراب ہوتے ہیں۔ منہ سُرخ بیر بہوٹی بہت ہی بُرا معلوم ہوتا ہے۔ مگر جن بیویوں کو عادت پڑ گئی ہے اور گھڑی بھر نہ کھائیں تو زردہ کی جھوجھ انہیں بے اوسان کر دے اُن کو اتنا تو کرنا چاہیئے کہ

تیسرے چوتھے نہیں تو آٹھویں دن پٹاری کو منجھوالیں اور مہینہ کے مہینے قلعی کروالیں۔ تانبے کا برتن دریا کی ریت سے اگر مانجھا اور پان کے چونے سے رگڑ کر پونچھا جائے تو بہت اچھی طرح صاف ہو سکتا ہے۔

کتھے چونے یا چھالیہ میں اگر احتیاط نہ ہو تو پان کی کرکراہٹ بہت ہی تکلیف دینے والی چیز ہے۔ جہاں تک ممکن ہو کتھہ چونا اچھی طرح چھان کر کلیوں میں بھرنا چاہیئے کہ کرکراہٹ نام کو نہ رہے۔

پانوں کے واسطے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ آدمیوں سے بھی زیادہ مزاج دار ہوتے ہیں۔ زیادہ پانی ملا گلے۔ کم ملا مرگئے۔ پانی زیادہ ہو نہ کم بس کافی ہو۔

چھالیہ جہاں تک ممکن ہو کتری کترائی ہر وقت بھری رہنی چاہیئے کسی کو پان دیتے وقت چھالیہ کترنی خاصی بدتمیزی ہے۔

بعض بیویوں کو یہ عادت ہوتی ہے کہ چھوٹی موٹی چیز جو آئی چل پٹاری میں۔ مگر اس سے کبھی کبھی بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ پٹاری میں سوا اُس چیز کے جو پٹاری سے واسطہ رکھتی ہو اور کوئی چیز نہ آنی چاہیئے۔

پٹاری مانجھنے کی یہ ترکیب بہت اچھی ہو گی کہ مانجھنے سے گھنٹہ بھر پہلے گرم پانی میں ڈال دیں۔ تاکہ میل کچیل چھوٹ جائے۔ اِس کے بعد اُپلے یا لکڑی کی راکھ سے مانجھ لیں۔ اور چونے سے رگڑ رگڑ کر دھوئیں۔ اِس کے بعد کپڑے سے صاف کریں۔ اگر قلعی کرانے کی ضرورت ہو تو یہ اطمینان کر لینا چاہیئے کہ قلعی گر رانگ میں سیسہ نہ ملاتے۔

کاٹ کباڑ

دیکھئے وہ کونسا مبارک وقت ہوگا اور ہوگا بھی یا نہ ہوگا کہ یہ فضول اور بیہودہ رسمیں جنہوں نے ہم کو بدنام کیا، ذلیل کیا، مفلس و خوار کیا۔ ہماری طرز معاشرت میں سے خارج ہوں گی۔ گو یہ ظاہر ہے کہ جب تک عورتوں میں تعلیم عام نہ ہوگی یہ رسمیں ہم سے جدا نہ ہوں گی۔ لیکن یہ تو موٹی سی بات ہے کہ جس بات کے کرنے سے حاصل دین نہ حاصل دنیا۔ بلکہ اُلٹا مفت کا نقصان اور خواہ مخواہ کی تکلیف وہ کیوں کیا جائے۔ شادی کے موقعہ پر والدین اپنی لڑکی کو جہیز اپنی اپنی حیثیت کے موافق امیر اور غریب سب ہی دیتے ہیں۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں جہیز دینے سے مدنظر کیا ہوتا ہے۔ آیا صرف اپنا نام یا لڑکی کا آرام۔ میں نے حال میں ایک شادی میں اتنا کاٹ کباڑ جہیز میں دیکھا کہ عقل دنگ ہوگئی۔ چوکیاں، لٹکن، صندوق، گھڑونچیاں وغیرہ وغیرہ اس کثرت سے کہ ایک لڑکی کیا چار لڑکیوں کو بھی اس کی ضرورت نہیں ہوسکتی۔ اور طرہ یہ کہ سب پر پھول پتیاں اور رنگ جو زیادہ سے زیادہ صرف ایک سال تک قائم رہ سکتا ہے اور اس کے بعد سب بیکار۔

یہ رقم جو اس پہ صرف ہوئی اگر نقد دیدی جاتی یا کوئی مکان خرید کر دیا جاتا تو کتنا اچھا تھا۔ میں چونکہ لڑکی کے والدین سے واقف تھی مجھ سے ضبط نہ ہوسکا۔ اور میں نے صاحب خانہ سے دریافت کیا کہ جناب اس فضول رقم کے

صرف کرنے سے کیا حاصل ۔ مگر مجھے یہ سُنکر کس قدر رنج ہوا ہے کہ وہ افسوس کر رہی تھیں کہ کچھ نہ دے سکی ۔ اور بہت سا اسباب وقت پر تیار نہ ہوسکا ۔

خدا کا لاکھ لاکھ یہ شکر ہے کہ اکثر خاندانوں میں یہ بیہودہ رسمیں اب زیادہ نہیں ہوتیں ۔ مگر جہاں ہو رہی ہیں وہ بھی کچھ کم تکلیف دہ نہیں ہیں ۔ ایسی حالت میں قوم کی مالی حالت کوئی ترقی نہیں کرسکتی ۔ مصارف بڑھے چلے جا رہے ہیں ۔ اور ضرورتیں ہر روز نئی نئی پیدا ہو رہی ہیں ۔ مُسلمانوں کا اپنے روپیہ کو اِس طرح ضائع کرنا کیسی نادانی ہے ۔

خدا جلد وہ وقت لائے کہ ہم اِن رسموں کو دور کریں ۔ اور اپنے شادی بیاہوں کے موقعہ پر وہی کریں جو خدا اور خدا کے رسول کا حکم ہے ۔

لیمپ

ہماری روزمرّہ کی ضروری چیزوں میں ایک چیز لیمپ بھی ہے جس کا استعمال قریب قریب ہر گھر میں ہوتا ہے۔ مگر جس طرح اور بہت سی خانہ داری کی چیزیں محض ہماری لاپروائی سے چند ہی روز میں دو کوڑی کی ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح لیمپ بھی جلد بگڑ جاتے ہیں۔ یا تو چمنی ٹوٹ جاتی ہے یا کل خراب ہو جاتا ہے۔ بعض جگہ دیکھا ہے کہ لالٹین یا لیمپ جل تو رہا ہے مگر بتی ایسی بُری اور ٹیڑھی بڑنگی کتری ہوئی ہے کہ کہیں اونچی ہے کہیں نیچی۔ کہیں نکلی ہوئی ہے کہیں گری ہوئی۔ اس قسم کی روشنی علاوہ اس کے دیکھنے والے کو بدنما اور خراب معلوم ہو، لیمپ کو بھی خراب کرتی ہے۔ گھر والوں کو بھی تکلیف دیتی ہے۔ اور چمنی کو بھی جلد خراب کر دیتی ہے۔

گو قینچی سے کترنے میں بتی چوکور برابر اور ٹھیک ہو جاتی ہے لیکن یہ نہایت تجربہ کار آدمی کا کام ہے کہ بتی اس طرح کتری جائے کہ ایک پھونسڑا بھی بڑا چھوٹا نہ ہونے پائے۔ اس لئے اس کی سب سے آسان ترکیب یہ ہے کہ دیا سلائی سے بتی برابر کی جائے اور وہ اس طرح کہ آڑی دیا سلائی بتی پر اچھی طرح پھیریں کہ اونچے نیچے پھونسڑے سب دب جائیں اور بتی بالکل ہموار ہو جائے۔

چمنیاں زیادہ ٹوٹتی ہوں تو اس کے واسطے یہ طریقہ بہت اچھا ثابت ہوا ہے کہ نئی چمنی کو پہلے گرم پانی میں اچھی طرح ڈبو لیں اور جب چمنی پانی میں

دس یا پانچ منٹ پڑی رہے تو نکال لیں۔ اور اگر ممکن ہو تو گرم دودھ میں ڈال دیا کریں تاکہ چمنی اور بھی پختہ ہو جائے۔

اس بات کی بھی احتیاط کرنی چاہیئے کہ لیمپ جلاتے وقت پہلے بتی کو بہت ہلکا رکھیں اور اس کے بعد تیز کریں تاکہ فوراً ہی تیز روشنی سے چمنی تڑخ نہ جائے۔

کلّے بگڑ جانے کا خیال بھی نہایت ضروری ہے۔ اور یہ سب سے زیادہ احتیاط کی چیز ہے۔ اور تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ کلّہ کے خراب ہونے سے پہلے ہر ہفتہ میں ایک دفعہ نہایت کھولتے ہوئے پانی میں کلّہ ڈال دیا جائے۔ تمام نقائص رفع ہو جائیں گے۔

چمنی کا روزانہ صاف ہونا بھی ضروری ہے۔ اور بہتر صورت یہ ہے کہ معمولی راکھ سے جس میں کنکر وغیرہ کچھ نہ ہو چمنی صاف کر دی جائے۔

لیمپوں کی احتیاط

اِن دنوں میں جہاں اور چیزوں میں ترقی ہو رہی ہے۔ وہاں گیس اور بجلی کے لیمپ بھی روز افزوں ترقی کر رہے ہیں۔ لیکن سینے پرونے یا پڑھنے کے لئے اُن سے کام نہیں لیا جاسکتا۔ ان کے لئے تو وہی برسوں کی ایجاد مٹی کے تیل کے لیمپ ہی خوب ہیں۔ آج کل کوئی گھر ایسا مشکل سے ملے گا جہاں ایک آدھ لیمپ نہ موجود ہوگا۔ لیکن اکثر شکایت اِن کے آئے دن بگڑنے کی سنی جاتی ہے۔ اِس لئے اگر مفصلہ ذیل ہدایت پر عمل کیا جائے تو نہایت مفید ثابت ہوگا۔

(۱) سب سے ضروری چیز لیمپ کے لئے اچھے تیل اور بتی دان کی ضرورت ہے اگر گھٹیا تیل استعمال کیا جائے گا تو وہ بہت جلد ختم ہو جاتا ہے اور اپنا خراب حصّہ بتی دان میں چھوڑ دیتا ہے جس کی وجہ سے بتی دان خراب ہو جاتے ہیں۔ بتی دان بہت معمولی قیمت کا ہے وہ بہت جلد تھوڑے استعمال سے خراب ہو جائے گا۔ اِس لئے یہی بہتر ہے کہ ایک بڑھیا لیمپ استعمال کیا جائے۔ بہ نسبت اس کے کہ آئے دن مرمت کے لئے پیسے صرف کئے جائیں۔

(۲) **تیل**۔ اگر عمدہ تیل استعمال کیا جائے تو کسی قسم کے نقصان کا خطرہ نہیں ہے۔ بعض اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ جلتے ہوئے لیمپ کو خشک جگہ لے جانے سے ایک ہی دفعہ بھک کر کے لیمپ گل ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ تیل کی خرابی ہوتی ہے۔ لیمپ بجھانے کے وقت اِس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیئے کہ بتی بہت نیچی

نہ ہو جائے۔ وہ بتی دان کے بالکل برابر ہونی چاہیئے۔ تاکہ ذرا سی ہوا سے گل ہو جائے
بالکل نیچی نہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ دوبارہ جلانے میں وقت ہو گی۔ جن لیمپوں میں
بجھانے کے لئے آلہ لگا ہوتا ہے انہیں استعمال کرنا چاہیئے۔ لیکن اس بات کا
خیال رہے کہ لیمپ بجھانے کے بعد فوراً ہی اس آلہ کو ٹھیک کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ
اگر یہ ویسا ہی رہ گیا تو دوسری دفعہ جلانے میں ممکن ہے کہ تم اس کو بھول جاؤ۔
جس کی وجہ سے اکثر لیمپ خراب ہو جاتے ہیں۔

(۱۳) **لیمپ کس طرح جلانا چاہیئے**۔ پہلے پہل لیمپ کو جلانے پر بتی کو
تھوڑی دیر تک نیچے رکھنا چاہیئے اور پھر اسے آہستہ آہستہ تیز کرنا چاہیئے۔ موسم
سرما میں خاصکر احتیاط کرنی چاہیئے۔ کہر چمنی کے لئے بہت بری چیز ہے۔ احتیاط
ہو تو ٹوٹنے سے محفوظ رہے گی۔

لیمپ کے جلانے میں اس بات کی خاص احتیاط رکھنی چاہیئے کہ
اسے کاغذ کی بتی سے کبھی نہ جلایا جائے۔ اگر کاغذ کا کوئی ٹکڑہ اس کے اندر
داخل ہو جائے گا تو بتی دان کو بہت جلد خراب کر دے گا۔ اس لئے لیمپ کے
جلانے کے لئے ایک موم بتی سے کام لینا چاہیئے۔ دیا سلائی سے بھی کبھی لیمپ
نہ جلانا چاہیئے۔

بعض اوقات لیمپ جلانے کی بتی چار منٹ بعد دھواں دینا شروع
کر دیتی ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ تیل اوپر چڑھنے میں اور دباؤ ڈالنے میں تھوڑا سا
وقت لیتا ہے۔ اور اگر بتی پہلے سے ہی بہت بڑھا دی جائے گی تو یہ تھوڑی ہی
دیر میں بہت بڑھ جائے گی۔ جس کی وجہ سے لیمپ دھواں دینا شروع کر دیتا ہے۔

لیمپ کے استعمال کرنے میں سب سے ضروری بات اس کو صاف رکھنے
کی ہے۔ اگر اس کو ہفتہ وار صاف کیا جائے گا اور اس کے تمام پیندوں کو گرم

گرم پانی سے دھویا جائے گا تو وہی لیمپ جس نے ایک وقت میں دو مہینے تک کام دیا ہے۔ صفائی کے بعد وہی لیمپ چھ مہینے کام دے سکے گا۔

نئے لیمپ خریدنے کے وقت اس بات کا خیال خریدنے والے کے لئے ضروری ہے کہ اسکو لیمپ کے تمام پرزوں سے واقف ہونا چاہیے اور لیمپ کے ہر ایک پرزہ کو علیحدہ علیحدہ کرسکتا ہو اور وقت پر استعمال کرسکتا ہو۔ ہفتہ میں ایک دفعہ ضرور بتی دان کو صاف کردینا چاہیئے۔ بتی دان کو گرم پانی اور سوڈے کے مرکب میں آدھ گھنٹہ تک رکھ لینا چاہیئے۔ سوڈا تمام آلائش کو رفع کردے گا اور بتی بالکل اصلی حالت میں ہوجائے گی۔

بتی کو کاٹنا لیمپ کے لئے سب سے ضروری ہے۔ اگر بتی ٹھیک کاٹی ہوگی تو لیمپ نہ تو دھواں دیگا اور نہ چمنی کے ٹوٹنے کا خطرہ رہے گا۔ بتی کا وہی حصہ کاٹنا چاہیئے جو جل چکا ہے۔ اور وہ بھی اپنی انگلی سے صفا کرلینا چاہیئے۔ قینچی کا بہت کم استعمال کرنا چاہیئے۔ جب نئی بتی ڈالو تو اس سرے کو تیل میں بھگو لینا چاہیئے۔ اگر پہلے بتی کو سرکہ میں بھگو لیا جائے گا تو بھی اچھا ثابت ہوگا۔

لیمپ میں اگر تیل کم مقدار میں ہو تو لیمپ کو نہ جلانا چاہیئے اور نہ لیمپ کو بالکل بھر دینا چاہیئے۔ ½ انچ تک ہوا کے دباؤ کیلئے لیمپ خالی رکھنا چاہیئے۔ بتی بالکل ٹھیک ہونی چاہیئے۔ اگر ڈھیلی ہوگی تو لیمپ بہت جلد بجھ جائے گا۔

ترجمہ

کپڑے دھونا

گو ہندوستانی رسم و رواج کے مطابق گھر میں کپڑے دھونا نہ صرف افلاس و تنگدستی ہی کا الزام سر پر لینا ہے بلکہ مُسوم کنجوس اور نکو بھی بننا ہے۔ جیسا دیس ویسا بھیس۔ ادنیٰ سے اعلیٰ اور فقیر سے امیر تک مشکل سے ایک لڑکی بھی ایسی نکلے گی جو کپڑے دھو لینے کے فن سے اچھی طرح واقف ہو۔ حالانکہ اُن انگلستانی خواتین میں جن کا ہر فعل آج اشرف و افضل سمجھا جا رہا ہے۔ شاید بدقت ایک ایسی ملے جو آپ کپڑے نہ دھو سکتی ہو اور ایسی تو سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں ملیں گی جو آپ دھوتی ہیں۔ وجہ ؟ صرف رواج کی پابندی۔ چاہے روپیوں اور اشرفیوں کا نقصان ہو جائے مگر کنبہ بھر میں ذلیل اور محلہ بھر میں بدنام کون ہو۔ بسا اوقات سُننے میں آتا ہے کہ بچہ کا اونی کُرتہ دھوبن نے بھٹی چڑھا کر غارت کر دیا۔ بارہا دیکھا ہے کہ نئی چکن کا دوپٹہ بیل نے چبا کر تیتی بُتی کر دیا۔ اگر کوئی غیر معمولی ایسا کپڑا جس کا اندیشہ ہو کہ دھوبی یا دھوبن کے ہاں بگڑ جائے گا گھر میں دھو لیا جائے تو گناہ نہیں۔ آخر زچہ خانے میں بچہ کے پوتڑے نہالچے وغیرہ خوش حال گھروں کی مائیں اور معمولی گھروں میں مائیں خود دھوتی ہیں جس طرح وہ معیوب نہیں اسی طرح رفتہ رفتہ یہ بھی جائز ہو جائے گا۔

گو انگلستان کے اکثر گھروں میں اس کام کے واسطے ایک دن مقرر ہے جس روز گھر کی بیوی اور لڑکیاں مل جُل کر ہفتہ بھر کے میلے کچیلے کپڑے دھو

دُھلا لیتی ہیں لیکن ہندوستان کے واسطے اُس کی تقلید مشکل ہی نہیں بلکہ قبل از وقت اور سر دست بیوی کی ذمہ داریوں میں ایک تکلیف دہ اضافہ ہے تاہم اگر اتنا ضروری نہیں تو مناسب ضرور ہے کہ لڑکیاں خاص خاص کپڑوں کو دھو لیں یا ضرورت ہو تو دھو سکیں۔

فلالین وغیرہ کے کپڑے معمولی دھوبیوں کے ہاں علی العموم خراب ہو جاتے ہیں اور سکڑ کر بگڑ جاتے ہیں۔ اس لئے سب سے بڑی احتیاط جو فلالین میں ہونی چاہیئے وہ یہ ہے کہ کپڑا قطع کرنے سے پہلے اُس کو دُھو لیں تاکہ جتنا سُکڑنا ہو پہلے ہی سے سُکڑ لے اور دُھلنے کے بعد کپڑا تنگ یا اونچا نہ ہو جائے۔ فلالین یا اونی کپڑا جب پہننے کے بعد دُھلنے کے قابل ہو تو پہلے برش سے صاف کریں پھر اُس کو گرم پانی میں ڈال دیں۔ مگر پانی کنکنا ہو نہ کہ اتنا گرم کہ تمام میل کپڑے ہی میں جذب ہو جائے۔ اس پانی کو جس وقت گرم کرنے کے واسطے چولہے پر رکھیں تو تھوڑے سے صابون کے ٹکڑے اور سوڈا بھی ڈال دیں۔ تین گھنٹے کپڑا اس میں بھیگا رہے۔ اس کے بعد نکال کر بڑی احتیاط کا کام ہے کہ نہ اُسکو زور سے رگڑو نہ نچوڑو ورنہ اون کے تار اُلجھ جائیں گے۔ آہستہ سے نچوڑنا چاہیئے تاکہ جو پانی کپڑے میں موجود ہے وہ نکل جائے۔ اس کے بعد گرم پانی میں آہستہ آہستہ صابون سے دھوؤ اور پانی نچوڑ کر سوکھنے کے لئے لٹکا دو۔

رنگائی

زمانہ روز بروز ترقی کر رہا ہے جو کام روپوں اور اشرفیوں میں نکلتے تھے اب وہ پیسوں اور کوڑیوں میں ہوتے ہیں۔ جن باتوں میں دن اور مہینے لگتے تھے اب گھنٹوں اور گھڑیوں میں پورے ہوتے ہیں۔ اِس ترقی سے اِنکار نہیں۔ سچی بات ہے ایک ذرا سے کپڑے رنگنے میں گھنٹوں اہتمام کرنا پڑتا تھا۔ انگریزی رنگوں نے گھنٹوں اور پہروں کی محنت کو چٹکیوں کا کر دیا۔ ایک ڈھیلے پائجامہ کا بخیہ کہیں مہینوں میں ہوا کرتا تھا اب مشین کی یہ کیفیت ہے اِدھر لگایا اُدھر ختم۔ لیکن جہاں ہم اِس سہولت پر خوش اور ترقی پر نازاں ہیں وہیں ہم ایک کمی پر خاموش اور ایک نقصان پر متاسف بھی ہیں۔ جس وقت اِن چیزوں کا وجود نہ تھا سنگر سیونگ مشین اور ماکروسوپ کا کوئی نام بھی نہ جانتا تھا۔ اُس وقت کی لڑکیاں دادی نانیاں بن بنا رخصت ہوئیں۔ ادائیگی فرائض میں چاق اور ہر فن میں طاق تھیں۔ اُن کی دسوں انگلیاں دس چراغ اور آج دونوں ہاتھ پھاڑے کے ٹٹو ہیں۔

دور کیوں جاؤ کپڑوں کی رنگائی ہی کو لے لو۔ ہمارے ہوش کا ذکر ہے کہ اگر ہفتہ میں ایک دفعہ نہیں تو مہینہ میں دو تین دفعہ انگنائی میں الگنی پر رنگے ہوئے کپڑے لٹکتے دکھائی دیتے تھے۔ دیکھتے دیکھتے یہ فرق ہو گیا کہ اب مہینوں بھی وہ سماں نظر نہیں آتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اگر آجکل کی کسی لڑکی سے پوچھو کہ فیروزی

کپڑا کیونکر رنگتے ہیں اور کیا کیا احتیاط ہیں تو وہ منہ دیکھ کر چپ ہو جائے گی۔ یہ کتنا بڑا نقصان ہوا اور ہو رہا ہے اور کیسی قابل افسوس کمی دیکھی اور دیکھ رہے ہیں۔

کپڑے دھو سکنے کے قابل نہیں تو کپڑے رنگ سکنے کے قابل تو ہر لڑکی کو ہونا چاہیئے۔ اور اگر نہ ہو تو اُس کا قصور سیر بھر باپ کا ڈیڑھ سیر ا ور ماں کا دو سیر۔

رنگ کی اصلی کیفیت یہ ہو کہ اس کا انحصار روشنی پر ہے۔ کبھی آفتاب کی طرف دیکھو تو پتلی پتلی لکیریں سی دکھائی دیتی ہیں جو کرنیں کہلاتی ہیں۔ یہ کچھ سورج ہی پر موقوف نہیں، ہر روشن چیز میں سے نکلتی ہیں۔ اِن ہی کرنوں کے ذریعہ سے روشنی دوسری چیز پر پڑتی ہے اور یہ باری تعالیٰ کی قدرت ہو کہ شعاعوں میں یہ طاقت رکھی کہ کسی چیز پر پڑ کر منعکس ہوتی ہوئی دوسری جگہ بھی اثر پہنچاتی ہیں۔ اِسی واسطے کمرے دالان در دالان تک میں جہاں کرنیں نہیں پڑتیں اُجالا ہوتا ہے۔

یہ بات تحقیق ہو چکی ہو کہ اصل رنگ زرد نیلا سُرخ تین ہی ہیں اور باقی جس قدر بھی رنگ ہیں اِن ہی تین رنگوں کی شاخیں ہیں۔ لیکن یہ تعجب کی بات ہو کہ سب رنگ مِل کر سفید رنگ ہوتا ہے۔

کبھی دیکھا ہو گا کہ صابن کو پانی میں گھول کر ایک نَول نلکے سے جو بچے بُلبُلے اُڑاتے ہیں وہ بُلبُلے رنگ برنگ کے ہوتے ہیں یا کبھی مینہ برس چکنے کے بعد آسمان پر کمان نکلی دیکھی ہو گی یا کبھی جھاڑ کی قلم میں سے دیکھا ہو گا کیسی رنگ برنگ کی چیزیں نظر آتی ہیں۔

اہلِ علم نے معلوم کیا ہے کہ یہ دھوپ جو بالکل پھیکی اور بے رنگ سی معلوم ہوتی ہے۔ سات رنگ کی شعاعوں سے مرکب ہو۔ مینہ برس چکتا ہے تو پانی کی بہت ننھی ننھی بوندیں یا ذرّے ہوا میں رہ جاتے ہیں اور جب سورج سامنے آتا ہے تو اُس کی شعاع اُن پانی کے ذرّوں میں رنگین دکھائی دیتی ہے۔

رنگائی کی کیفیت یہ ہو کہ جن رنگوں سے کپڑے رنگے جاتے ہیں ان میں سے بعض تو یہیں کے دیسی ہیں اور بعض ولایتی۔ لیکن کپڑے رنگنے میں بہت بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

جس برتن میں کپڑا رنگا جائے وہ مٹی کا ہو اور بالکل صاف بلکہ کورا۔ اگر اس سے پہلے اس برتن میں کسی اور رنگ کا کپڑا رنگا گیا ہے یا اب کسی اور رنگ کی ایک بوند بھی گرے گی تو رنگ خراب ہو جائے گا۔

رنگ کو کسی دھات کی چیز سے جیسے چاقو چھری وغیرہ سے ہلانا رنگ کو خراب کرنا ہے اصل رنگ تو نئے کپڑے ہی پر خوب آتا ہے۔ لیکن اگر پہنا ہوا بھی ہو تو جس قدر اچھا دھلا ہو اُجلا صاف شفّاف اُسی قدر اچھا رنگ ہوگا۔ رنگ کر دھوپ میں اس غرض سے ڈالنا کہ جلد سوکھ جاتے رنگ کو کمزور کرتا ہے۔ بعض رنگ تو بالکل ہی اُڑ جاتے ہیں۔ سایہ میں خشک کرنا چاہیے۔ رنگنے میں سب سے بڑی بات اور اُستادی صرف اتنی ہے کہ کپڑے پر رنگت بالکل برابر ہو یہ نہ ہو کہ ایک جگہ زیادہ ایک جگہ کم۔ بعض دفعہ لاپروائی کے رنگنے سے دھبے پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے اگر بہت زیادہ گہرا رنگنا چاہو تو کئی دفعہ کر کے رنگو یہ نہیں کہ بہت سا رنگ ڈال دیا اور رنگنے بیٹھ گئے۔ رنگ اُتنا ہی ڈالو جتنا ہلکا رنگنے کے لیے درکار ہے۔ جب رنگ لو تو پھر دوبارہ رنگ ڈال ڈوبتے اور اُس وقت تک رنگ ڈالو جب تک حسب خواہش رنگ نہ چڑھ جائے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر کپڑا دبیز ہے تو اس کو پہلے پانی میں ایک ڈوب دیکر نچوڑ لینا چاہیئے اور پھر رنگنا چاہیئے۔ اگر رنگنے میں کوئی چیز بس یا سلوٹ پڑ گئی ہو تو خشک کرنے سے پہلے صاف کر لو۔

کپڑے کو اُس وقت خشک سمجھو جب اُس میں یوں ہی سی نمی باقی رہ جائے اُس وقت تہ کر لینے سے کپڑا سخت نہ ہوگا۔ کپڑے کو کلف دینا بھی بہت ضروری ہے اور چاول کی پیچ کا کلف سب سے اچھا ہے

ہمارے دانت

ایسی بیبیاں بہت کم ہوں گی۔ جن کے اصلی دانت صاف چمکدار اور تندرست ہیں۔ ورنہ بہت سی خواتین ایسی نکلیں گی جنہوں نے خواہ لاپروائی سے یا خوراک میں احتیاط نہ کرنے سے اپنے دانت خراب کر دیئے۔ یہ سب جانتے ہیں۔ کہ وہ چہرہ جس کے دانت اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے ہوں خوبصورت نہیں کہا جا سکتا۔

اصلی اور نقلی (یعنی بنے ہوئے) دونوں قسم کے دانتوں کے واسطے ایک ہی طرح کی احتیاط ہے۔ یعنی اُن کو رکھنا ہندوستان میں اعلیٰ ذات کے برہمن ایک گھنٹہ کے قریب صبح اُٹھ کر دانتوں کی خدمت کرتے ہیں۔ گو یہ وقت زیادہ ہے مگر یہ طریقہ اختیار کرنے کے قابل ہے۔

دانتوں کا برش اور ٹھنڈا پانی مضبوط دانتوں کے واسطے اچھی چیز ہے اگر دانت کمزور نہ ہوں تو سخت برش ہونا چاہیئے۔ کمزور ہوں تو برش نرم اور پانی کنکنا۔ چاک مٹی بھی دانتوں کو چمکانے کے لئے مفید ثابت ہوئی ہے۔

بعض بیبیاں ہر کھانے کے بعد دانت برش سے صاف کر لیتی ہیں تاکہ روٹی کے ٹکڑے اور بوٹی کے تُس دانتوں میں رہنے نہ پائیں۔ صاف منہ سے مُراد خوشگوار سانس سے ہے کہ برابر بیٹھنے والے کو سانس لینے سے بو نہ آئے رات کو سوتے وقت بلاناغہ دانتوں کو برش سے صاف کر کے سونا چاہیئے۔

تاکہ میل کچیل جمنے نہ پائے۔

مٹھاس کی کثرت دانتوں کے واسطے اچھی نہیں ہے۔ دانتوں کی بارہ میں ایک ڈاکٹر کی رائے ہے کہ ذرا سخت چیز شروع ہی سے بچّوں کو دینی چاہیئے۔ تاکہ دانت کام کرنے کے لائق بنیں اور عادی ہوں۔ دانتوں کو ہر قسم کی آفت سے بچانے کا اصلی وقت بچپن ہی ہے۔ اگر ہم اِس طاقت کا جو موجود ہے استعمال نہ کریں گے تو وہ طاقت غارت ہوجائے گی۔ گوشت کھانے والے جانوروں کے بچّوں کو دیکھو۔ کس طرح ہڈّی بھنبوڑتے ہیں۔ گو اُنہیں زیادہ نہیں ملتا۔ مگر دانت مضبوط ہوتے ہیں۔

دانتوں کی احتیاط:۔ رات کے وقت اور صبح دانتوں کو ضرور صاف کرو۔ اور ایک دفعہ دن رات کو نمک سے دانت ضرور مانجھ لو۔ برش کو پسے ہوئے نمک پر رکھ دو، وہ کافی ہوگا۔

دانتوں کی احتیاط میں تین باتیں خاص طور پہ لحاظ کے قابل ہیں۔ اوّل یہ کہ شروع ہی سے اِن سے اچھی طرح کام لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ سرد گرم چیزوں کو نہ ملانا چاہیئے۔ ابھی تو ایک چیز نہایت ٹھنڈی کھائی۔ اوپر سے نہایت گرم کھالی۔ تیسری چیز دانتوں کی احتیاط سے غفلت ہے۔ اگر دم بھر کو بھی غفلت کی اور کچھ کھانے کے بعد دانت صاف نہ کیئے۔ اور کوئی ذرّہ دانتوں میں رہ گیا تو جڑیں اور مسوڑے سب خراب ہونے شروع ہوجائیں گے۔

کان کا چھیدنا دنیا کے ہر حصّہ میں قریب قریب پایا جاتا ہے اور یہ دستور جہاں تک غور کیا جائے ہمیشہ سے ہر جگہ موجود رہا یورپ میں بھی یہ رسم کم و بیش اب تک جاری ہے۔ یونان بھی اس سے محفوظ نہیں۔ اور ایّام جہالت میں عرب بھی اس سے علیحدہ نہ تھا حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے بی بی سارہ کی ترغیب سے بی بی ہاجرہ کے کان کی دونوں لویں چھدوادی تھیں پیغمبر اسلام صلعم کے زمانہ حیات میں عورتوں کے کان چھدتے تھے۔ چونکہ آپ نے منع نہ فرمایا اس لئے مسلمانوں میں یہ طریقہ اب تک موجود ہے۔ لیکن اس زمانہ میں بھی کان کا اس کثرت سے چھیدنا کہ بالیاں پتّے جھلنیاں۔ المختصر بیس چھید کردئیے جائیں ہرگز موجود نہ تھا۔ مگر اس لئے کہ عورتوں کی آرایش و زیبائش کا حکم ہے کانوں کا زیادہ چھیدنا بھی جائز سمجھ لیا گیا۔ صرف اس لئے کہ اس سے نیت محض زیبائش ہوتی ہے۔ البتّہ ناک چھیدنے کا دستور عرب کی تاریخ اور اسلام کے واقعات سے نہیں یہی وجہ ہے کہ علمار اسلام ناک چھیدنا مکروہ کہتے ہیں، یہ دستور ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے ہندو بہنوں سے لیا اور باوجود اس کے کہ علمار اسلام اس کو جائز نہیں سمجھتے۔ قریب قریب تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں موجود ہے۔

اب کہ وقت بدل گیا اور پرانی باتیں ختم ہوگئیں نہ کسی بات کی پابندی

ہے نہ کسی چیز کی احتیاط جب جی چاہا اور جس طرح جی چاہا کان چھید دیے۔ ورنہ بزرگوں نے اِس کا وقت اور طریقے رکھے تھے۔ اور جو اِس طرح تھے۔

موسم بہار میں جب سردی نہ ہوتا کہ لحاف یا رضائی اوڑھنے میں بالی اٹکنے کا احتمال نہ رہے عام طور پر کان چھیدے جاتے تھے۔ یعنی پھاگن میں اور کن چھیدے جو اِس فن کے ماہر تھے گلی گلی اور محلے محلے پھرا کرتے تھے لوبیں جن کا اوپر ذکر ہوا اور جن کا چھدنا شرعًا بھی جائز ہے پانچ برس سے کم عمر بچیوں کی چھیدی جاتی تھیں۔ کیونکہ کان کا گوشت طوالت عمر کی وجہ سے زیادہ سخت نہ ہونے پاتا تھا۔ کن چھیدن زیادہ تر چاند کی آخری تاریخوں میں ہوتا تھا۔ کیونکہ خون کا دوران اِن دنوں میں معتدل ہوتا ہے۔ آجکل سوئی سے کان چھیدتے ہیں پہلے جست کی بالی سے چھیدے جاتے تھے۔ ڈورے کی وجہ سے جو آجکل استعمال ہوتا ہے بچی کو زیادہ تکلیف ہوتی ہے جست اندمال زخم کے واسطے یوں ہی مفید ہے۔ اور چونکہ ٹھنڈا ہے اِس لئے اِس کا استعمال مناسب ہے۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا بچیوں کے کان چھیدنے میں ضرورت یہ ہے کہ گھر میں مٹی کا دیا جلایا جائے۔ کیونکہ کڑوا تیل زخم کے واسطے سب سے زیادہ مفید ثابت ہوا ہے اور وہ اِس طرح کہ ایک تنکے پر کوری روئی لپیٹ کر جلے ہوئے تیل میں تر کی جائے۔ اُس کو ذرا دور سے چراغ کی لَو پر گرم کیا جائے۔ جب اس میں گرمی پیدا ہو جائے تو اِس سے چھدے ہوئے کان سینکے جائیں۔ یہ علاج چھ روز کیا جائے۔ اِس کے بعد نیم کے پانی سے کان صاف کیا جائے اور جست کی بالی صاف کر کے کان میں پھرا دی جائے۔ اگر موسم خراب ہو جائے اور آسمان ابر آلود اور ہوا مرطوب نیم پتیوں میں

تھوڑا سا جھاؤ ملا کر نیم اور جھاؤ کے پانی سے کان صاف کریں بلکہ اسی کی دھونی بھی دیں۔

اس میں شک نہیں کہ یہ پُرانی تدبیریں ہیں مگر تجربہ سے یہ ہی ثابت ہوا ہے کہ نئے علاجوں سے یہ ہی تدبیر بہتر ہے۔ اور جب تک کان چھدنے کا دستور ہندوستان میں موجود ہے یہ علاج افضل ثابت ہوگا۔

ناک کے واسطے بھی یہ ہی علاج اچھا ہے مگر چونکہ شرع اسلام میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اس لئے جو کچھ لکھا گیا ہے یہ کان کے واسطے ہے۔

کاجل

یہ ایک مشہور بات ہے کہ کاجل سے آنکھ بڑی ہوتی ہے اور اسی واسطے اکثر مائیں اپنے بچوں کو کاجل سے بیچا بنا دیتی ہیں۔ طب کے اعتبار سے کاجل آنکھ کے واسطے ٹھنڈا تو ضرور ہے مگر نہ اتنا کہ کوئی لمحہ بھی آنکھ کاجل سے خالی نہ ہو۔ سُرمہ بڑے دں اور چھوٹوں سب کے واسطے مفید ہے۔ لیکن اس خیال سے اس کا استعمال کہ وہ حسن میں داخل کر لیا جائے غلط معلوم ہوتا ہے رات کو سوتے وقت اگر سرمہ لگا کر سوئیں تو آنکھ کے واسطے بہت اچھا ہے۔ اور کاجل سے زیادہ مفید ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کاجل کا اس کثرت سے استعمال کہ تمام منہ کالا ہو جائے اور نذر گذر کے واسطے ایک ٹیکہ بھی ہو کیا معنی رکھتا ہے۔ بہتر تو یہ ہی ہے کہ صرف سُرمہ کا استعمال کیا جائے وہ بھی دن رات میں ایک آدھ مرتبہ سے زیادہ نہ ہو۔

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ آنکھیں بڑی نعمت ہیں۔ مگر اس نعمت کی قدر اندھوں سے پوچھو جو کہتے ہیں۔

آنکھوں والو آنکھیں بڑی نعمت ہیں

آنکھوں کی قدر جیسی ہونی چاہیئے افسوس ہو کہ بہت ہی کم آدمی ویسی کرتے ہیں۔ خوبصورت آنکھیں قدرت کا انعام ہیں جو شکل وصورت قدوقامت سب سے علیحدہ ہیں اور جو یہ حق رکھتی ہیں کہ آنکھوں والی لڑکیاں ان کی بہت کچھ احتیاط کریں۔ گو میں یہ جانتی ہوں کہ بلاڈ وشہ وغیرہ آنکھوں کو چمکا دیتے ہیں۔ لیکن اس قسم کی چیزیں بینائی کے واسطے مضر ہیں۔ آنکھوں کی احتیاط کے واسطے یہ ہمیشہ خیال رکھنا چاہیئے کہ

سونے والے کمرہ میں روشنی آنکھ کے سامنے نہ ہو۔ پڑھنے یا کام کرنے میں روشنی پشت پر نہ ہو آنکھ کے سامنے ہو مگر جوں ہی آنکھ پر ذرا تکان معلوم ہو یا وہ مچنی شروع ہوں تو فوراً ان کو سونے کے لئے بند کر دینا چاہیئے۔ اگر اس وقت ایک نرم رومال جس میں گلاب چھڑکا ہوا ہو آنکھوں پر پھیر دیا جائے تو بہت اچھا ہے اگر دس منٹ تک یہ عمل کیا جائے تو اس کا عمدہ اثر فوراً معلوم ہوگا۔ ہر روز آنکھوں کو ان دواؤں سے دھو لینا چاہیئے۔ اگر کسی وقت کوئی خاک وغیرہ آنکھ میں جا پڑے تو اسی وقت ان دواؤں کا استعمال کرنا چاہیئے ایک اونس بورک ایسڈ سیر بھر ابلتے ہوئے پانی میں ڈال (دو وقت) اس سے آنکھیں دھو لو۔ (ترجمہ)

عورت کی آنکھ

تمام ڈاکٹروں کی جو آنکھ کے ماہر ہیں یہ رائے ہے کہ اگر اس حالت میں جب آنکھ کو کوئی شکایت نہ ہو لڑکیاں مفصلہ ذیل باتوں کی احتیاط کریں تو ان کی آنکھیں کبھی خراب نہ ہوں گی۔ خراب روشنی میں کبھی لکھو نہ پڑھو۔ کالے کپڑے کی سلائی آفتاب کی روشنی کے سوا کسی روشنی میں نہ کرنی چاہیے۔ اگر ضرورت مجبور کرے تو کوشش کرو کہ سلائی دیر تک نہ ہو۔ اور اگر پھر بھی کرنی پڑے تو بیچ میں تھوڑی دیر یعنی ایک آدھ منٹ کے واسطے سبز گھاس خوشنما پودوں پر نظر ڈالنی چاہیئے۔ اگر ممکن ہو تو سبز رنگ کی چیزیں آنکھ سے زیادہ کام لینے کے دوران میں سرسبز گھاس یا بڑھتے ہوئے پودوں پر نظر ڈالنا نہایت ہی مفید ہے خواہ دن کو ہو یا رات کو۔ بہت موٹے کپڑے کی نقاب آنکھوں پر نہ ڈالو سر کے بالوں کو آنکھوں سے بالکل علیحدہ رکھو (بچوں کو اس کی زیادہ احتیاط کرنی چاہیئے) ریل گاڑی یا کسی اور ایسی سواری میں جہاں جھکولے لگ رہے ہوں زیادہ دیر تک نہ پڑھو۔ جتنا نقصان ریت آندھی اور خاک سے آنکھ کو پہونچتا ہے۔ قریب قریب اتنا ہی زردے اور تمباکو یا دوسری نشہ کی چیزوں سے۔ جب آنکھیں کام کرتے کرتے تھک جائیں تو ان کو فوراً ٹھنڈے پانی سے دھونا چاہیئے اور بہتر ترکیب یہ ہے کہ پانی میں آنکھیں رکھکر کھولو اور بند کرو اگر آنکھوں سے غیر معمولی کام لیا گیا ہے تو پانی میں بورک ایسڈ ڈال دینا چاہیئے۔ آنکھوں کی خوبصورتی کا دار مدار زیادہ تر دل کی حالت پر ہے۔ اور اگر دل پر کسی بیماری کا اثر نہیں تو آنکھیں بھی محفوظ رہیں گی۔

جوؤں کا علاج

عام طور پر دو قسم کی جوئیں دیکھنے میں آتی ہیں سیاہ یا سفید یہ سر کے بالوں اور کپڑوں میں رہتی ہیں۔ اور یہیں انڈے دیتی ہیں جنھیں لیکھیں کہتے ہیں۔ بعض دفعہ ان کی کثرت سے کھجاتے کھجاتے زخم پڑ جاتے ہیں۔ بہتر علاج یہ ہے کہ پٹرولیم سے بالوں کو اچھی طرح بھگو کر ایک پٹی باندھ دیں اور دوپہر کے بعد گرم پانی اور صابون سے دھو ڈالیں۔ نیم کا تیل بازاروں میں عام طور پر بکتا ہے یہ بھی جوؤں کے مارنے کے واسطے بہت اچھا ہے مگر اسکی بُو بہت سخت ہوتی ہے۔ اس کے بعد بھی گرم پانی اور صابون سے سر دھو ڈالنا چاہیئے۔ سرکہ بھی جوؤں کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اگر بدن میں جوئیں پڑ گئی ہوں تو سہاگہ اور پھٹکری گرم پانی میں اچھی طرح ملا کر نہالیں۔ اور میلے کپڑوں سے بالکل الگ رہیں۔ میلا کچیلا رہنا یا ایسے شخص کے پاس بیٹھنا جس کے جوئیں پڑی ہوں گویا جوؤں کو خود بلانا ہے۔

برسات کے دنوں میں اگر احتیاط نہ کی جائے تو بھیگنے سے بالوں میں بہت جلد جوئیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جاڑے میں بنیان یا روئی کا کپڑا زیادہ مدت تک جسم پر رہنے سے بھی جوئیں پڑ جاتی ہیں۔

جسم کی صفائی

یوں تو انسان کے جسم کا ہر حصّہ صفائی اور ستھرائی کے لحاظ سے بہت بڑی توجہ کے قابل ہے۔ لیکن ہاتھ پاؤں آنکھ کان وغیرہ وغیرہ یعنی وہ اعضاء جو ہر وقت دوسروں کی نظر کے سامنے رہتے ہیں خصوصیت سے احتیاط کے لائق ہیں۔ صحت کے علاوہ جس میں سراسر ہماری اپنی غرض شامل ہے جسم کا بھی ہم پر کچھ حق ہے۔ اور جس طرح ہم اپنے پھول پودوں کو پانی دے کر ہرا بھرا رکھتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اسی طرح اپنے اعضاء کو بھی میل کچیل سے بچائے رکھیں اور ایسی حالت میں نہ رکھیں کہ برابر بیٹھنے والوں کو نفرت اور صورت دیکھنے والوں کو وحشت ہو۔ محض زیب و زینت کے خیال سے جسم کو صاف رکھنا سراسر غلطی ہے اور اگر غلطی نہیں ہے تو اس کے یہ معنے ہیں کہ جس وقت زیب و زینت کی ضرورت نہ ہو اُس وقت کی صفائی نہ ہونی چاہیئے اس لئے جسم کی آراستگی دوسری چیز ہے اور صفائی دوسری چیز۔ افسوس ہے کہ بعض بہنیں جن کو قدرت نے آرائش کے قابل نہ رکھا وہ فضول اعتراضوں کی بدولت جسم کی صفائی سے محروم ہو گئیں۔ اگر انہوں نے صابون۔ یا کھلی یا بیسن سے مُنہ دھو لیا یا چنبیلی کا تیل ڈال لیا تو چاروں طرف سے اعتراضوں کی بھرمار شروع ہو گی۔ حالانکہ صفائی کو زینت سے کوئی تعلق نہیں۔ جسم کی صفائی انسانیت کا سب سے بڑا زیور ہے اور جو شخص اس سے محروم ہے

اس میں کیسی ہی صفتیں ہوں کبھی وقعت سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ مثلاً ناخونوں کا بڑا ہونا اس میں میل کا ہونا سخت شرم کی بات ہے۔ ہمیں مناسب ہے کہ ناخونوں کو بڑا نہ ہونے دیں کہ اُس میں میل رہ سکے۔ ناخون اس لئے نہیں ہیں کہ جوؤں کے مارنے کے کام آئیں۔ اور مطلق گھن نہ آئے۔ جن بہنوں میں یہ عادت ہے ان کی یہ عادت افسوس ہے اچھی نہیں ہے۔ یہ ہی کیفیت دانتوں کی ہے کہ بعض بہنیں ان کے مانجھنے کی مطلق پروا نہیں کرتیں۔ اور اس پر پانوں کی سُرخی جو ہونٹوں تک پھیلی ہوتی ہے میل کے ساتھ مل کر اور بھی غضب ڈھاتی ہے۔ پان کا مسئلہ قابلِ بحث ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ پان نہ کھانا چاہیے۔ لیکن پان کھانے کی غرض اگر دانتوں اور ہونٹوں کا رنگنا ہے تو نہایت غلط غرض ہے۔ دانتوں کو ہمیشہ صاف شفاف موتی کی طرح چمکنا چاہیئے۔ اسیطرح اور تمام اعضاء کی کیفیت ہے۔ اگر ہم اپنے مذہب پر توجہ کریں تو بعض چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہم کو خزانے چھپے ہوئے نظر آئیں گے۔ مثلاً کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا سنت ہے۔ اگر ہم پانچوں وقت کی نماز پڑھیں تو پانچ دفعہ کے وضو سے جسم کیسا پاک صاف رہے گا۔ افسوس تو یہ ہے کہ ہم اپنے اُصولوں سے بہت دور جا پڑے ہیں ورنہ تمام دُنیا کی خوبیاں اگر ہم غور سے دیکھیں تو ہمارے پاک مذہب میں موجود ہیں۔

ہیضہ اور ملیریا

برسات کے موسم میں اکثر جگہ بیماری کی شکایت سننے میں آتی ہے۔ خاصکر دو بیماریاں تو ضرور ہی ان دنوں کی بدولت پیدا ہوجاتی ہیں۔ ایک ہیضہ اور دوسرے برسات کے بعد ملیریا۔

اس موسم میں بعض باتوں کی احتیاط ہر گھر میں ضرور ہونی چاہیئے۔ تاکہ گھر والے ان بیماریوں سے محفوظ رہیں۔

خوراک میں یہ لحاظ ضرور رکھنا چاہیئے کہ جو کچھ کھایا جائے وہ فوراً ہضم ہو جائے۔ خربوزے۔ تربوز۔ کھیرے۔ککڑی۔ آڑو۔ پھوٹ وغیرہ کا استعمال قطعی نہ ہو۔ مکان میں سیل بالکل نہ رہے۔

پانی کے استعمال میں خصوصیت کے ساتھ احتیاط کی ضرورت ہے۔ ممکن ہو تو جوش کیا ہوا پانی یا فلٹر کا پانی پینا چاہیئے۔ جن مقامات پر دھوپ نہ پہنچے وہاں ہرگز ہرگز پانی کا ایک قطرہ نہ گرے۔ گھاس پھونس یا تنکوں کا جہاں ڈھیر ہو وہ بھی نہ بھیگنے چاہئیں۔ کیچڑ مطلق نہ ہو۔ بلکہ فنائل روزمرہ گھر کے اکثر حصوں میں چھڑک دینا چاہیئے تاکہ ہوا خراب نہ ہونے پائے۔

برسات کا موسم ختم ہوتے ہی بلکہ ستمبر ہی کے آخر میں ہلکا سا مسہل ہو جانا چاہیئے تاکہ پیٹ میں جو خراب غذا ہو وہ خارج ہو جائے اس کے بعد روزانہ دو وقت جب تک ملیر موجود رہے ایک ایک گولی

کونین کھالینی چاہیئے۔ "شگر کوٹیڈ پلز" کی ایک شیشی ہر گھر میں موجود رہے۔ جو مفید ہونے کے علاوہ مزے میں بھی میٹھی ہوتی ہیں اور ان پر شکر چڑھی ہوئی ہوتی ہے۔

جسم کی صفائی بھی لازمی چیز ہے۔ کم سے کم ایک دفعہ روز تندرست آدمی کو ٹھنڈے پانی سے غسل کر لینا چاہیئے۔ اور کپڑے اُجلے صاف بدن پر رہیں۔

بیوی کے ہاتھوں گھر کی بربادی

اِنسان غالباً اِس لئے کہ وہ اشرف المخلوقات ہے خود غرض بھی واقع ہوا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں مشکل سے کوئی ایسا کام کرتا ہوگا جس کو وہ اپنے واسطے مفید نہ سمجھ رہا ہو۔ منجملہ اور بہت سے کاموں کے نکاح بھی اِس کا ایک کام ہے جسکی بابت میاں اور بیوی دونوں کا یہ یقین ہونا چاہیئے کہ یہ ہمارے واسطے مفید ہو۔ بعض ایسی عورتیں بھی موجود ہیں جنہوں نے شوہر کے فعل نکاح کو بجائے مسرت کے مضرت اور بجائے راحت کے مصیبت بنا دیا۔ شوہر منجملہ دوسری اُمیدوں کے بیوی سے یہ توقع بھی رکھتا ہے کہ اُسکی حیثیت کے موافق گھر بھی آراستہ ملے۔ لیکن میں نے ایک گھر ایسا دیکھا ہے جو آمدنی سے بہت ہی گرا ہوا تھا۔ کاہلی نے بیوی کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا تھا کہ جس طرح ہو پشتم پشتم زندگی بسر ہو جائے اصل گھر تو قبر ہے، وہ سنور جائے تو سب کچھ بھر پایا۔ یہ خیال بجائے خود بہت اچھا ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دُنیا کی دین کے مقابلہ میں مطلق پرواہ نہ کی جائے۔ ہم کو ہماری پاک کتاب نے دُنیا اور دین دونوں کے حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر کوئی عورت اپنے فرائض سے غافل ہو جاتے اور صرف اِسی خیال میں رہے کہ عاقبت کی خوبیاں میسر ہو جائیں تو اس کا خیال خبط کہا جائے گا۔ جس عورت کے گھر میں ڈھنگ کا بچھونا تک نہ ہو۔ کوئی ملنے آئے تو مشکوں کی یہ کیفیت کہ پانی پینے کو جی نہ چاہے: وہ کس منہ سے جنت کی طلبگار ہے۔ اِس نے پہلے ہی اپنے شوہر کا گھر دوزخ کر دیا اور اسکے بدلہ میں دوزخ ہی اِس کا گھر ہوگا۔

ماں بننے والی لڑکی کو احتیاطیں

جوں ہی کسی لڑکی کو یہ معلوم ہو کہ وہ چند روز بعد ماں بننے والی ہے اُس کو یہ یقین کر لینا چاہیئے کہ اُس کی ذمہ داریوں میں قدرت نے ایک بہت بڑی ذمہ داری بڑھا دی۔ اُس کے سپرد ایک امانت کی گئی ہے اور توقع ہے کہ وہ اِس امانت کو دیانت داری سے دنیا کے حوالہ کر دے گی۔

حاملہ عورت کو اِس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ چلنے میں اس کا پاؤں زمین پر زور سے نہ پڑے۔ اس کو کوار پتہ کی طرح اُچھلنا کودنا سخت منع ہے۔

وہ اب آزاد نہیں ہے کہ ہر چیز کھا سکے۔ اب اُس کو ان غذاؤں کو کھانا ضروری ہے جو جلد ہضم ہوں اور ثقیل نہ ہوں اسکو کسی سے لڑنے یا چیخنے کی اجازت نہیں ہے۔ اِس کے واسطے کسی ایسے مجمع میں شریک ہونا گناہ ہے جہاں دماغ کو بجائے فرحت کے پراگندگی ہو۔

اس کو کسی لکچر وعظ یا ایسی کتاب کے پاس نہ جانا چاہیئے جو دل پر اثر کرے۔

اُس کو ایسے عزیزوں یا دوستوں سے ملنا مطلق بند کر دینا چاہیئے جن کی گفتگو میں طعن و تشنیع کا ہونا لازمی ہے۔

مصورِ غم حضرت علّامہ راشد الخیریؒ کی نئی کتابیں

عروسِ مشرق یورپ کی اندھا دھند نقالی اور مغربی تہذیب کے زہر آلود اثر سے محفوظ رکھنے کے لئے گزشتہ چوتھائی صدی میں حضرت مصورِ غم علیہ الرحمۃ نے جو مضامین تحریر فرمائے تھے اُن کا انتخاب اُن مضامین میں اُن مشرقی خوبیوں کو جو روز بروز مٹ رہی ہیں اور جن پر ہندوستان کے بسنے والے ناز کرتے تھے۔ نہایت مؤثر پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۰/

قرآنی قصّے اُن نبیوں اور رسولوں کے مقدس حالات جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ حضرت علامہ راشد الخیری نے یہ قصّے مسلمان بچیوں کے لئے اُن کی سمجھ کے مطابق انہیں کی زبان میں مگر اپنے خاص رنگ میں لکھے تھے۔ بنات میں چار سال تک یہ قصّے شائع ہوتے تھے۔ اب کتابی صورت میں شائع کئے گئے ہیں۔ قیمت ایک روپیہ۔

گردابِ حیات حضرت مصورِ غمؒ نے جو عورتوں کی اصلاح اور حمایت میں چھوٹے چھوٹے نتیجہ خیز اور مؤثر افسانے عام فہم پیرائے میں عصمت میں لکھے تھے۔ اُن میں سے پچیس افسانوں کا یہ مجموعہ مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ

سیاحتِ ہند ہندوستان کے مختلف شہروں اور قصبوں کا علامہ مغفور نے دورہ فرمایا تھا اور دورہ کے حالات عصمت و بنات میں تحریر فرماتے تھے وہ سب اِس کتاب میں جمع کئے گئے ہیں۔ جو ہندوستان کے مختلف مقامات کی تعلیم یافتہ دردمند خواتین و حضرات کا تذکرہ ہے جس سے مختلف صوبوں کی معاشرت، تمدن سے واقفیت ہوتی ہے اور خود علامہ مغفور کی طبیعت اور عادات و خصائل وغیرہ کا بھی پتہ چلتا ہے۔ قیمت عہ

ملنے کا پتہ:- دفترِ عصمت کوچہ چیلاں۔ دہلی

بچّے کی تیّاریاں

جوں ہی کسی عورت کو یہ معلوم ہو کہ وہ ماں ہونے والی ہے اُس کا یہ خوشنما فرض ہونا چاہیے کہ وہ اپنی زندگی کو حکم دے کہ اُس کا بچّہ طاقتور تندرست اور خوبصورت ہو۔ پیدائش سے پہلے نو مہینے اور پیدائش کے بعد پہلا سال صحت کے اعتبار سے خاص توجہ کے قابل ہے۔ نہایت ضروری احتیاط ماں کو لباس۔ خوراک۔ آب و ہوا۔ نیند اور آرام میں کرنی چاہیے۔ عقلمند عورت ایسے موقعہ پر فضول کھانے چھوڑ دے گی اور وہ صرف وہ خوراک کھائے گی جو اُس کے اور اس کے پیدا ہونے والے بچّہ کے لئے مفید ہو۔ زود ہضم اور اچھی غذا کا استعمال نہایت ضروری ہے جس میں تھوڑا سا گوشت بھی شامل رہے۔ بعض ڈاکٹر پھل۔ نباتات اور روٹی کو ان دنوں میں زیادہ مفید بتاتے ہیں۔ زیادہ مؤثر غذا سرکہ۔ عرق نعناع۔ وغیرہ مُضر ثابت ہوئی ہے۔ چاء اور کافی کا استعمال مضر نہیں ہے۔ مگر دودھ اچّھا ہو اور اس کے ساتھ ہی صاف ستھرا بھی ہو۔ انگور۔ سیب۔ سنگترہ۔ انجیر بہت اچھی چیزیں ہیں جو ماں کو پیدائش میں کافی مدد دیتے ہیں۔ منشیات سے قطعی پرہیز کرنا چاہیئے۔ بہترین ڈاکٹروں کا اتفاق ہے کہ الکحل ہر صورت میں حاملہ کے واسطے تکلیف دہ اور غیر ضروری ہے۔ پروفیسر سمر وڈ ہیڈ کہتے ہیں کہ نا ممکن ہے کہ حاملہ عورت کسی مقدار میں بھی الکحل کا استعمال کرے اور اسکے پیٹ کے بچے پر خراب اثر نہ ہو۔ لباس گرم مگر ہلکا ہونا چاہیئے۔ جس پر کوئی

زور نہ پڑے کیونکہ جسم کے کسی حصہ پر بھی دباؤ نہ ڈالنا چاہیئے۔ بالخصوص دل کی احتیاط بہت زیادہ کرنی چاہیئے۔

یہ بڑی سخت غلطی ہے کہ ماں ہونے والی عورت کاکاروبار نہیں کرسکتی۔ اس کو صرف وزنی چیزیں نہ اٹھانی چاہئیں یا سیڑھیوں پر چڑھنے میں احتیاط کرنی چاہیئے۔ اور نیز زیادہ دیر تک کھڑا بھی نہ ہونا چاہیئے۔ باقی معمولی کام جسمیں زیادہ محنت کی ضرورت نہ ہو انجام دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ تازی ہوا کی ضرورت بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ ان دنوں میں سانس جلدی جلدی چلتا ہے۔ اور اس لئے کوشش ہونی چاہیئے کہ اچھی ہوا پیٹ میں جاتی رہے۔ سونے اور رہنے کا مقام اس قدر عمدہ اور تازہ ہوا سے بھرا ہوا جس قدر ممکن ہے۔

غیر معمولی جوش بالکل نہ آنا چاہیئے۔ مثلاً تھیٹر میں جانا ناول وغیرہ کا مطالعہ۔

قدیم یونانی ان دنوں میں اپنی عورتوں کے گرد و پیش نہایت خوبصورت تصاویر اور نقش و نگار رکھتے تھے کہ ان کے لڑکے طاقتور اور لڑکیاں حسین پیدا ہوں۔

کوشش کرنی چاہیئے کہ حاملہ عورت کے خیالات نو مہینے نہایت اچھے پاکیزہ اور خوش رہیں۔ کیونکہ تمام کائنات میں بچے خدا کی نعمت اور سب سے زیادہ محبوب چیز ہیں۔

حاملہ عورت کا تیز مسہل لینا بڑی سخت غلطی ہے۔ جب تک کہ ڈاکٹر کسی مجبوری سے تجویز نہ کرے۔

بستر سے اٹھ کر اور سوتے وقت ایک گلاس صاف شفاف پانی یا تھوڑی سی مقوی غذا کا استعمال بہت مفید ثابت ہوگا۔

(آزاد ترجمہ)

جس طرح عورت کی زندگی میں سب سے زیادہ ذمہ داری بچوں کی پرورش ہے اسی طرح بچہ کی پرورش کا وقت بھی اسکے واسطے کچھ اہم نہیں۔ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض عورتیں محض دایوں کی ناواقفیت اور جہالت کی وجہ سے ضائع ہوتی ہیں، مگر اس کے علاج بھی آسانی سے ممکن نہیں۔ کیونکہ لیڈی ڈاکٹر وغیرہ جو اس کام سے اچھی طرح واقف ہوتی ہیں آسانی فراہم نہیں ہوسکتیں۔ ان کے مطالبات اس قدر زیادہ اور فیسیں اتنی بڑی ہوتی ہیں کہ غریب آدمی آسانی سے برداشت نہیں کرسکتے، چونکہ خود ناواقف ہوتے ہیں اس لئے مجبور ہیں کہ جو کم خرچ دائی ہاتھ آجائے اس سے کام لیں۔ دائیاں اس وقت کی بالکل ہی جاہل ہیں۔ پہلے دائیوں کو باقاعدہ تعلیم تو نہیں دی جاتی تھی، لیکن اُن کے خاندان مقرر تھے اور مائیں ان کو احتیاط سے سکھاتی تھیں۔ لڑکیوں کو اپنے ہمراہ لے جاکر اُن سے کام کرواتی تھیں۔ اور خود نگرانی کرتی تھیں۔ جب اُن کو اطمینان ہوجاتا تھا کہ پوری واقفیت ہوگئی۔ اس وقت وہ کام کے واسطے بھیجتی تھیں۔ اب وہ خاندان وغیرہ تو ہیں نہیں۔ اور حق یہ ہے کہ وہ قدردانی بھی نہ رہی۔ اس لئے یہ کام چھوڑنا پڑا۔ اب صرف وہ دائیاں رہ گئی ہیں جو خاک واقف نہ ہوں۔ ان کی کوشش کا نتیجہ ظاہر ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ عورتیں جن کے ہاں بچے پیدا ہوتے ہیں اور وہ لیڈی ڈاکٹر کی

فیس ادا نہیں کر سکتیں کیا کریں۔ اس کا جواب صرف وہ ہدایت ہے جس پر گھر والی کو عمل کرنا چاہیئے۔ بعض عورتوں کو دوران حمل میں ملتانی، سوندھی مٹی، ٹھیکریاں بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ اور وہ اس کا استعمال کثرت سے کرتی ہیں۔ یہ نہایت ہی خطرناک چیز ہے۔ اسی طرح دوران حمل میں قبض کا رہنا بُرا ہے۔ اور مستقل قبض تو بہت بُرا مرض ہے۔

حاملہ عورت کو یہ احتیاط کرنی لازم ہے کہ وہ دوران حمل میں اپنے کان تک کوئی غیر معمولی خوشخبری یا رنج وصدمہ کی بات نہ پہنچنے دے۔

نہایت ضروری ہے کہ عورت اس مدت میں کوئی ایسی کتاب نہ پڑھے جو اس کے دل پر اچھا یا بُرا فوری اثر کرے۔

ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ ہمارے ہاں جہاں بچہ پیدا ہونے کا وقت آیا اور عزیز جمع ہونے شروع ہوئے۔ پھر موٹی سی بات ہے کہ زچہ کے چاروں طرف ان بے سود عورتوں کا مجمع کیسی لغو بات ہے۔ وہاں صرف اُن عورتوں کے موجود ہونے کی ضرورت ہے جو کسی طرح کام آرہی ہیں نہ کہ وہ بے موقعہ اور بے محل دنیا بھر کے جھگڑوں کو بیان کر رہی ہیں۔

سب سے زیادہ ضروری احتیاط یہ ہے کہ عورت کے آس پاس اِدھر اُدھر ہر شے خواہ وہ کیسی قسم کی ہو نہایت صاف ستھری ہو، اس میں امیری اور غریبی کا سوال نہیں۔ کوئی چیز وہاں کے استعمال کی میلی اور غلیظ نہ ہو، کیونکہ میل کا میل اسی جگہ سے بنتا ہے۔

مکان خواہ پختہ ہو یا کچا، جس میں صاف ہوا اچھی طرح پہنچے، روشنی اچھی طرح آتی ہو، اگر موسم سرد ہو تو زچہ کے بدن پر لباس گرم ہونا چاہیئے۔ مگر تازہ ہوا کو ہرگز نہ روکنا چاہیئے۔ اگر کھڑکیاں ہوں تو اور بھی اچھا ہے کہ

ہوا اوپر سے اوپر ہی گزر جائے۔ مگر زچہ کے کمرے میں معقول مقدار تازہ ہوا کی ضرور داخل ہو۔

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ آکسیجن یعنی اچھی اور تندرست رہنے والی ہوا آگ کی زیادہ نذر ہوتی ہے، لیمپ تیز اور اتنا تیز نہ ہونا چاہیئے، کہ تمام آکسیجن وہی کھا جائے۔ صرف ضرورت کے لائق روشنی ہونی چاہیئے۔ یہی کیفیت انگیٹھیوں کی ہے۔ زچہ کے کمرہ میں انگیٹھی کا روشن کرنا یا روشن انگیٹھی کا لانا شاید ضروری نہیں۔ اگر کمرہ گرم کرنے کی اشد ضرورت ہو تو یہ احتیاط لازمی ہے کہ اُس کا دھواں یا کاربن اوپر سے اوپر ہوا میں جا ملے، نہ کہ زچہ کے پیٹ میں داخل ہو۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ اس وقت کی زچہ اور بچہ کی خرابی زیادہ تر پھیپھڑے وغیرہ پر اثر کرتی ہے۔ اور یہیں سے سِل اور دق کا مرض شروع ہوتا ہے جس کا سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ تازہ ہوا جس قدر زیادہ ہو اُسی قدر زچہ کے پیٹ میں پہنچائی جائے۔

انگھڑ دائیاں

یہ کہہ دینا بہت آسان ہے کہ پہلے بھی آخر انسان زندہ رہتا تھا اب کیا وجہ ہے کہ روز بروز تکلّف کے سامان پیدا ہو رہے ہیں کس واسطے ہم وقت کا ساتھ دیں اور اصلی باتوں کو چھوڑ دیں۔ مگر ایسا کہنے والے اس پر غور نہیں فرماتے کہ پہلے میں اور آج میں کیا فرق ہے جس وقت تک چیچک کا ٹیکہ ہندوستان میں رائج نہ تھا اُس وقت بچوں کی تعداد اموات کس قدر تھی اور آج کتنی ہے۔ اور اب بھی کہ ہم بچوں کی پرورش کے اصول سے پورے واقف نہیں۔ ہمارے ہاں بچے کتنے مر رہے ہیں اور یورپ میں جہاں مائیں اس کام کی ماہر ہیں کیا تعداد ہے۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ ان پر ہر شخص بآسانی غور کر سکتا ہے۔

ہمارے ہاں زچہ عورتوں کی تعداد اموات یورپ سے بڑھ گئی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہماری دائیاں اپنے فرائض سے مطلق واقف نہیں اور جب کہا جاتا ہے کہ ان سے احتیاط کرو تو جواب ملتا ہے کہ پہلے آخر کس طرح بچے پیدا ہوتے تھے جو اب ہمیں اور مسوں کی ضرورت ہے۔ اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ بچے کی پیدائش میں سب سے بڑی مدد قدرت کی زچہ کے شامل حال ہوتی ہے چنانچہ بچے جس طرح جب بآسانی پیدا ہوتے تھے اب بھی ہوتے ہیں۔ اگر دائی نہ ہو جب بھی ہوتے تھے

اور ہوتے ہیں۔ دائی کا کام اُس وقت شروع ہوتا ہے جب کوئی پیچیدگی پیدا ہو جائے۔ ایسے موقعہ پر پہلے ہمیشہ مونیں ہوتی تھیں اور اب اگر واقف کار دائی ہو تو پیچیدگی کو سلجھا سکتی ہے۔ ناواقف ہو تو وہی موت۔ چند روز ہوئے اسی قسم کا ایک جگر خراش واقعہ ہو چکا ہے۔ بچّہ خاصا اچھا پیدا ہوا' مگر شبہ تھا کہ آنول سالم نہیں ہے۔ ضرورت تھی کہ اطمینان کر لیا جاتا۔ اور فوراً لیڈی ڈاکٹر کو بلا کر صفائی کر دی جاتی۔ مگر جاہل اور غیر معقول ساس نندوں نے اِس تجویز کی ہنسی اُڑائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تیسرے روز بخار ہوا اور پانچویں روز لیڈی ڈاکٹر بلائی گئی تو اُس نے کہہ دیا کہ "آنول صاف نہ نکلی اُس کا ذرّہ پیٹ میں رہا زہر اُتر گیا"۔ المختصر دوسرے روز فوت ہو گئی مگر کم بخت دائی آخر وقت تک اپنی غلطی پر نادم نہ ہوئی۔

نہ معلوم کتنی عورتوں کی جانیں اس لاپروائی کی نذر ہوتی ہیں۔

دائیاں اور لیڈی ڈاکٹر

یہ بھی کچھ آدمی کی طبیعت کا تقاضا ہے کہ جہاں کسی نئی چیز کی تعریف سُنی بس اُس کے گیت گانے شروع کر دیتے ہیں۔ زنانہ پرچوں میں کہا جاتا ہے کہ ہندوستانی دائیوں میں یہ عیب یہ نقصان اور یہ مصیبت مختصر یہ ہندوستانی دائی کا بلانا گویا موت کا بلانا ہے۔ اس قسم کے مضامین دیکھکر بیساختہ یہ کہاوت یاد آتی ہے۔ چلا کوا ہنس کی چال۔ اور اپنی بھی بھول گیا۔

(۱) کیا مسلمانوں میں ہر عورت اس لائق ہے کہ ہر بچہ کی پیدائش پر چالیس پچاس روپیہ بآسانی محض اس مد میں صرف کر دے؟

(۲) کیا اُس غریب عورت کو جس کی آمدنی اوسط درجہ کی ہے دائی اور لیڈی ڈاکٹرات کے دو بچے آسانی سے مل سکتی ہے؟

زچہ جس کو نہایت سکون واطمینان کی ضرورت ہے کیا دونوں سے یکساں خلق کی توقع رکھ سکتی ہے؟

یہ موٹی موٹی تین چار باتیں ہیں جن سے بآسانی معلوم ہو سکتا ہے کہ عام طور پر ہر عورت اس قابل نہیں کہ اپنا زچہ خانہ صرف لیڈی ڈاکٹروں تک چھوڑ دے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اُن کی رائے نہایت درست اور قابل قدر ہے مگر اُس رائے کے حاصل ہونے میں جو دقتیں ہیں اور اُس کے سلسلہ میں جو پیچیدگیاں ہیں وہ بھی نظر انداز نہیں ہو سکتیں۔ ہندوستانی دائیوں میں سے

بھی بعض محض اپنے عمر کبیر کے تجربہ کی بنا پر اپنے فن کی ایسی کامل اور ماہر ہوتی ہیں کہ بڑے بڑے طبیب اُن کے آگے کان پکڑیں۔ مولانا حالی مرحوم نے حکیم محمود خاں مغفور کی بابت جو کچھ لکھا اتفاقاً وہ ان کے واسطے ٹھیک سا فرماتے ہیں۔

رکھتے ہیں آلات پر جو بھروسہ جس قدر کرتے ہیں علوم جو جو اُن سے امراض اشہر
وہ بتا دیتا تھا سب کچھ رکھ کے انگلی نبض پر اُسکی اک انگلی پہ تھے قربان سو تھرما میٹر
نارسا تھیں دور بینیں اہل صنعت کی جہاں جا پہنچتی تھی نگاہ دور بیں اُسکی وہاں

میری غرض اس مضمون سے کسی خاص فرقے کی توہین نہیں ہے بلکہ عام طور پر لیڈی ڈاکٹروں کا رواج دینا اتنا مفید نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے۔

ہم کو تکلیف اور بیماری میں سب سے زیادہ طبیب کے تسکین اور خُلق کی ضرورت ہے، اور یہ ضرورت بھی ہے کہ حکیم ہو یا طبیب دائی ہو یا لیڈی ڈاکٹر جس قدر زیادہ دیر تک ممکن ہو ہماری آنکھ کے سامنے رہے۔ صرف اس قدر احتیاط کی ضرورت ہے کہ دائی انگھڑ اور ناتجربہ کار نہ ہو۔ اگر یہ احتیاط پوری ہو جائے تو میرے خیال میں اکثر اعتبار سے تجربہ کار ہندوستانی دائی نسبتاً مضر نہ ثابت ہوگی۔ خاص خاص حالتوں میں جہاں لیڈی ڈاکٹر کی واقعی ضرورت ہو وہ دوسری بات ہے۔ لیکن محض پیدائش کے واسطے لیڈی ڈاکٹر ہی کا آنا ہر اعتبار سے مفید سمجھنا درست نہیں۔ البتہ انگھڑ ناتجربہ کار دائی کو بلانا شدید غلطی ہے۔

بچّہ کا پہلا سال

بچّہ کی صحت کے واسطے سب سے زیادہ ضروری خیال ماکو اُس کے وزن کا رکھنا چاہیئے۔ صرف وزن ہی وہ چیز ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کی صحت درست ہے اور قوت ہاضمہ میں کسی قسم کی خرابی نہیں یہ ممکن ہے کہ اگر اُس کو صرف ماکا دودھ دیا جارہا ہے تو وہ اس قدر نہ بڑھے جس قدر اُس کو چاہیئے اور اس کی وجہ صرف یہ ہوگی کہ دودھ اچھا اور کافی نہیں۔ اس موقع پر گائے کے دودھ اور دوسری قسم کے مصنوعی دودھ وغیرہ کے سوال پر غور کرنا اور طبیب سے مشورہ لینا چاہیئے۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر بچّہ کے وزن میں روزانہ ترقی نہیں ہورہی تو یقیناً اُس کی صحت میں کوئی خرابی ہے اور وہ فوراً دور کرنی چاہیئے۔

بچّوں کا معمولی وزن پیدائش کے وقت لڑکے کا ۷½ پونڈ اور لڑکی کا ۷ پونڈ ہوتا ہے۔ یہ وزن بعض حالات میں مختلف ہوتا ہے۔ لیکن ایک بچّہ کا وزن اگر پیدائش کے وقت دس پونڈ ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ اس بچّہ سے جس کا وزن ۶½ ہے زیادہ تندرست ہو۔

بچّہ کی صحت کا دارومدار صرف اس شئے پر ہے جو اُس کے پیٹ میں پہنچتی ہے یعنی ہوا اور دودھ۔ یہ واقعہ ہے کہ بچّہ ماں کے اچھے دودھ سے پرورش پا رہا ہے۔ اُس کی صحت اُس بچّہ سے جو گائے یا دوسری قسم کے

دودھ سے پل رہا ہے بہتر ہو گی۔

ہندوستانی مائیں شاید بچّہ کے وزن پر نہیں کیونکہ وہ اس کی عادی نہیں۔ لیکن وہ یہ سُنکر دیں گی کہ جہاں یہ احتیاط کی جاتی ہے وہاں بچّوں کی اموات ۱۵ فی صدی سے بھی کم ہے اور یہاں ۲۵ سے بھی زیادہ۔ کہا جاسکتا ہے کہ جب ہندوستان میں ان باتوں کا چرچا ہی نہ تھا تو کیا بچّے زندہ نہ رہتے تھے۔ لیکن اس کہنے کے ساتھ ہی یہ بھی سُننا پڑے گا کہ اس وقت تعداد اموات بعض حالات میں چالیس فی صدی سے بھی بڑھ جاتی تھی اور ان ہی باتوں نے اس وقت گھٹا کر پچیس کردی ہے۔ اور اگر پوری طرح عمل کیا جائے تو دس فی صدی کی تخفیف اور ممکن ہے۔

سب سے اچھا وقت بچّہ کے وزن کرنے کا شام کے بعد گرم پانی سے نہلا کر اسپنج سے صاف کرنے کا ہے جس میں کچھ زیادہ وقت نہ لگے گا۔ موسم سرد ہو تو یہ احتیاط کرنی چاہیئے کہ وزن کے وقت اُس کے پاس آگ کافی ہو۔

ہفتہ پیدائش کے پہلے تین چار دنوں میں بچّہ کا وزن کم ہو جانا ممکن ہے۔ لیکن ہفتہ کے آخر تک اس کا وزن کم از کم اتنا ضرور ہونا چاہیئے جتنا پیدائش کے وقت تھا۔ اس وقت سے چار مہینہ کی عمر تک چھ اونس ہر ہفتہ میں بڑھنا چاہیئے۔ عام طور پر پانچ مہینہ کی عمر میں وزن دگنا ہو جاتا ہے اور سال کے خاتمہ پر قریباً تگنا۔

نقشہ ذیل سے تندرست بچہ کا وزن معلوم ہو سکتا ہے۔

	وزن	بلندی	ان ایام میں ترقی کا ہفتہ وار اوسط
پیدائش کے وقت	۷ پونڈ ۸ اونس	۲۰ انچ	

چودہ روز	۷ پونڈ ۱۴ اونس	½۲۰	انچ	۶-۷	اونس
ایک مہینہ	۸ پونڈ ۱۰ اونس	۲۱	؍؍	؍؍	؍؍
تین مہینہ	۱۲ پونڈ ۸ اونس	۲۳	؍؍	۶	؍؍
چھ مہینہ	۱۸ پونڈ ۸ اونس	۲۵	؍؍	۴	؍؍
نو مہینہ	۱۸ پونڈ ۸ اونس	½۲۶	؍؍	۳	؍؍
ایک سال	۲۱ پونڈ ۱۰ اونس	۲۸	؍؍	۲	؍؍

اگر بچّہ کا وزن اس نقشہ کے موافق ترقی نہ کرے تو ماکو ان باتوں پر خصوصیت کے ساتھ توجّہ کرنی چاہیئے۔

گھر کے باہر کی تازہ ہوا جس قدر زیادہ ممکن ہو بچّہ کے پیٹ میں پہنچائی جائے۔ مرچیں جن کی وجہ سے بچّوں کو دست آتے ہیں بالکل چھوڑ دو۔ بچّہ کو خاموش رکھو اور زیادہ سونے دو۔

بچّوں کے وزن کرنے کے کانٹے تمام بڑی بڑی دوکانوں پر ملتے ہیں۔

ایک پونڈ قریب قریب آدھ سیر ہوتا ہے۔

(ترجمہ)

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پیدائش کے بعد ہی بچہ کی آنکھیں دکھنے آجاتی ہیں ورنہ یہ تو اکثر ہوتا ہے کہ دودھ پیتے میں آجائیں۔ چونکہ آنکھوں کا معاملہ ہے اس لئے ماں کی بہت بڑی ذمہ داری ہے اور اسی وجہ سے بچوں کی آنکھ خراب ہوجاتی ہے۔

سب سے پہلے ہر قسم کی روشنی سے دکھتی آنکھ کو بچانا چاہیئے۔ اگر دو قطرے ارنڈی کا تیل آنکھ میں ڈال دیا جائے تو آنکھ چپکنے نہیں پاتی۔ اگر رطوبت ہو تو پلکیں اُٹھا کر صاف کردینی چاہیئے۔ جو آنکھ دکھتی ہو اُسی کروٹ بچے کو سُلایا جائے تاکہ دوسری آنکھ محفوظ رہے۔ ماں کے دودھ کے پھوئے بھی آنکھ پر رکھنے مفید ہوتے ہیں۔ پھٹکری خوب بھون کر تھوڑی سی افیون اور بتاشہ ملا کر لیپ کرنا مفید ہے۔ نیز ہڑ کو گلاب کے عرق میں گھس کر لگانا بھی اچھا ہے۔

آنکھیں دکھنے میں تازہ اور صاف ہوا بچے کے لئے ضروری ہے۔ اسکی آنکھوں پر پٹی باندھ کر تاکہ روشنی سے محفوظ رہیں دالان میں لٹا دینا چاہیئے۔ دوسرے بچوں کو بچانا چاہیئے اور وہ پاس نہ آئیں ورنہ اُن کی آنکھیں بھی دُکھنے آجائیں گی۔

ترقی کا مادہ قدرت نے دُنیا کی جن چیزوں میں رکھا ہے اُن میں سے ایک معمولی چیز بیج بھی ہیں جو بڑھتے بڑھتے گھنے دار درخت ہو جاتے ہیں۔ یہ ضرور نہیں کہ ان کی غور و پرداخت ہی کی جائے تو نشو و نما پائیں خود قدرت اس کا سامان پیدا کر دیتی ہے خود رَو پھول اور جنگلی درخت جن کو نہ کوئی سینچنے والا ہوتا ہے نہ دیکھ بھال کرنے والا۔ آفتاب کی حرارت اور بارش سے پرورش پا لیتے ہیں۔

اسی طرح ہمارے جسم کی بیماریاں ہیں جو ایک ذرا سی لاپروائی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور بڑھتے بڑھتے تکلیف دہ یا مہلک ثابت ہوتی ہیں۔

چھوٹے بچوں کے واسطے خفیف سی شکایتیں بھی اکثر زہر ہو جاتی ہیں اس لئے کہ وہ اپنی تکلیف بیان کرنے کے قابل نہیں ہوتے۔

ماؤں کا یہ کام ہے کہ وہ اِس قدر کافی احتیاط گرمی سردی اور کھانے پینے کی کریں کہ بچوں کو کوئی تکلیف ہی نہ ہونے پائے۔

جاڑے کے موسم میں ذرا سی بھول چوک میں بچے بیمار پڑ جاتے ہیں۔ یہ موسم خصوصیت سے احتیاط کا ہے۔ اگر کسی ایسی جگہ بچہ موجود ہو جہاں گرمی موجود ہو اور ٹھنڈی ہوا بہت کم ہو مثلاً انگیٹھیاں روشن ہوں یا لحاف اور رضائیوں میں دبکا پڑا ہو تو دفعتاً اُس کو ایسی جگہ لے جانا

جہاں گرمی کم اور خنکی زیادہ ہو اس کو بیمار کردے گا۔ ٹھنڈی ہوا سانس کے ذریعہ سے پسلیوں اور سینہ میں گھسے گی اور بیمار ڈال دے گی۔ فوراً کھانسی شروع ہوگی اور اگر پوری توجہ نہ ہوئی تو نمونیا ذات الجنب کرنے کا خلل موجود ہو جائے گا۔

اس موقعہ پر کستوری ایک چاول ماں کے دودھ میں گھول کر فوراً پیٹ میں پہونچا دینا چاہیئے۔

لیکن سب سے بڑا علاج یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو پہلے ہی سے اتنی احتیاط کرنی چاہیئے کہ علاج کا وقت ہی نہ آنے پائے۔

بچوں کی معمولی شکایتوں کا علاج

اگر بچہ کا کان بہتا ہو تو مازو اور پھٹکری دونو برابر لیں اور باریک پیس کر ایک بتی میں لپیٹ لیں اور شہد میں بلا کر بچہ کے کان میں رکھدیں۔

روغن کاہو یا خشخاش کا تیل اگر بچہ کو نیند نہ آتی ہو تو سر اور کنپٹی پر ملنا بہت مفید ہے۔

سردی سے اگر سر میں درد ہونے لگے تو تھوڑی سی افیون اور گوند پانی میں گھس کر ایک کاغذ کے ٹکڑے پر گول کتر کر لگائیں، اور اس کاغذ کو دو کنپٹیوں پر چپکا دیں۔

بچہ کو اگر ہچکی ہو جائے تو جامن کا رب تولہ بھر اور پوست ایک اکسیر ہے۔

بعض بچوں کی آنکھیں پیدائش کے بعد ہی دکھنے آجاتی ہیں اگر پیدا ہوتے ہی یہ احتیاط کیجائے کہ صاف پانی یا بورک لوشن سے دھو کر ہلکا کاسٹک لوشن کا ایک چھوٹا سا قطرہ ڈالدیں تو بہت اچھا ہوگا۔ کاسٹک لوشن ایک دو گرین فی اونس والا ہو۔

بچوں کو کبھی کبھی ہچکیاں بہت آنے لگتی ہیں جو مشکل سے بند ہوتی ہیں اگر یہ بدہضمی یا پیٹ کے پھولنے سے ہوں تو گرم پانی میں بٹھادیں اور سونف کا عرق پلائیں، شہد کا چٹانا بھی مفید ہے۔ (ماخوذ)

بچوں کی بیماریاں اور جڑی بوٹی

بچہ کا منہ آنا ایک نہایت خطرناک بیماری ہے سُرخ اور سفید رنگ تو سیاہ سخت اندیشہ کی بات ہے میٹھے انار کا چھلکا بہت ہی باریک پیس کر چھڑکیں مفید ہوگا۔

بچہ کا خواہ مخواہ رونا پاؤں سکیڑنا پیٹ کی طرف ہاتھ لیجانا پیٹ کے درد کی علامت ہے گرم رُوار سے پیٹ سینکیں اور سرمہ کی طرح نمک پسا ہوا پیٹ پر ملیں۔

اگر بچے دانت کے درد کی شکایت کریں تو کافور گلاب دونوں کو سرکہ ملالیں اور گُنگنا کرکے کلیاں کروائیں۔

بعض بچوں کو پتّی کا مرض ہوتا ہے ایسی حالت میں ہوا کی احتیاط نہایت ضروری ہے۔ بدن پر گیرو اور اجوائن سرکہ میں لت کرکے مل لیں آرام ہو جائے گا

کسی بچہ کے کان میں اگر درد ہو تو مناسب ہے کہ کبھی کبھی روغن گُل نیم سہتا سہتا کان میں ڈالدیا کریں۔

اگر آنکھ دکھنے آگئی ہو یا اندیشہ ہو تو پھٹکری کو بھونکر گلاب میں حل کرلیں اور دو قطرے آنکھوں میں ڈالتے رہیں۔

ماں کی غفلت کا جگر خراش نتیجہ

دنیا میں ایسا شخص جس نے عمر بھر کوئی غفلت نہ کی ہو مشکل ہی سے ہوگا ورنہ عام طور پر ہر شخص سے کچھ نہ کچھ غفلت اور لاپرواہی کبھی نہ کبھی ہو ہی جاتی ہے اور اسکا نتیجہ بھی بھگتنا پڑتا ہے لیکن ایسی غفلت جسکا نتیجہ موت ہو چا ہے وہ ارادتاً ہو یا سہواً ہرگز درگذر کے قابل نہیں۔ اسلئے ہر اُس شخص کو جو مریض کا تیمار دار ہو اس فرض کے شروع کرنے سے پہلے یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ میرے سپرد اسوقت وہ کام کیا جاتا ہے جس سے زیادہ ذمہ داری کا کام دوسرا مشکل ہی سے ہوگا' اور یہ وہ کام ہے جس پر ایک انسانی ہستی کی زندگی اور موت کا دارومدار ہے۔

تیمارداری کا کام بالعموم تمام دنیا میں ہمیشہ عورتوں ہی کے سپرد رہا ہے سرور کائنات کے زخموں کی مرہم پٹی بھی سیدۃ النساء حضرت بی بی فاطمہ نے کی ہے۔ اور اسلامی لڑائیوں میں بھی عورتوں نے میدان جنگ میں یہ فرض انجام دیا ہے۔ ہندوستانی گھروں میں بھی حکیم یا ڈاکٹر کے ہاں جانا ساتھ لانا نسخہ بندوانا وغیرہ جس قدر کام ہیں مرد کرتے ہیں اور مریض کو دوا پلانا وقت پر اٹھانا بٹھانا دیکھ بھال کرنا' یہ سب کام زیادہ تر عورتوں کے سپرد ہوتا ہے۔

اپریل گذشتہ میں ایک بیوی کا بچہ بیمار ہوا' اور وہ اس طرح کہ شام کے وقت اس کو بخار چڑھا' اور اس نے رات کو کھانا نہ کھایا خیال

تھا کہ معمولی بخار ہے، صبح کو اُتر جائے گا، اس لئے کسی نے کچھ زیادہ پرواہ
نہ کی مگر دیکھا گیا تو صبح کو بھی بخار بدستور تھا، بچے کی عمر سات سال کے
قریب ہوگی، اس نے دن بھر کھانا نہ کھایا، ہر چند کہا گیا لیکن اس نے
بالکل توجہ نہ کی۔ ضرورت تھی کہ اس وقت کسی ڈاکٹر یا طبیب کو بلا کر بچے کو
دکھاتے اور باقاعدہ علاج شروع کیا جاتا، مگر ماں نے اس خیال سے کہ اس نے
کل شام سے کچھ نہیں کھایا، اُس سے کچھ کھانے پر اصرار کیا، اور ہر چیز پوچھی
کہ کیا کھائے گا۔ گرمی سخت تھی اور پیاس کے مارے بچے کے ہونٹ خشک
تھے۔ برف پر اس نے ہاں کی گھر میں قلفہ برف جمانے کی مشین موجود
تھی، ماں نے اسی وقت دودھ فالسہ لوکاٹ وغیرہ اور نہ معلوم کیا کیا منگوا کر
برف جمائی بچہ گرمی میں تو تڑپ ہی رہا تھا خوب اچھی طرح کھاتا رہا اس میں کلام نہیں کہ ماں اپنی
محبت کیوجہ سے یہ سب کچھ کر رہی تھی کہ بچہ بھوکا نہ رہے اسے کیا معلوم تھا کہ یہ غفلت کچھ اور
گل کھلائیگی اور میں اسکی محبت میں کیسی لاپرواہی کر رہی ہوں جو مجھکو خون کے آنسو رلوائیگی۔

رات گذر گئی بچہ اور ماں دونوں اطمینان سے سو گئے ماں بھی خوش تھی کہ بچہ بھوکا نہ رہا اور کچھ کھا لیا
مگر صبح کو اُٹھ کر دیکھا تو بچہ کا بخار اسی طرح تھا البتہ کھسرا نکل رہی تھی مگر نہایت خفیف تین
دن اس طرح اور گذرے نہ کھسرا ڈھلی نہ بخار اُترا۔ اب حکیم صاحب بلائے گئے تو انہوں نے کہا
کہ "کوئی ٹھنڈی چیز ایسی دیگئی ہے جسکی وجہ سے کھسرا نکلتے نکلتے رک گئی"۔ اسوقت ماں کی آنکھیں
کھلیں اور اس نے کہا میں نے اوسے کا شربت بھی پلایا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ ہر چند گرم دوائیں
دی گئیں مگر جو کھسرا اندر بیٹھ چکی تھی وہ پھر نہ نکلی، بہت سے ڈاکٹر اور حکیم آئے مگر ایک دوا بھی کارگر نہ ہوئی۔
ساتویں یا آٹھویں دن اسی حالت میں بچہ کے تمام جسم پر کھسرا نکلی ہوئی تھی بچہ انتقال کر گیا۔ ماں کو زیادہ
صدمہ تو بچہ کی موت کا اس کو ہوا ہوگا مگر ماں کو سمجھنا چاہیئے تھا کہ بیمار بچہ کو جو دوا یا غذا میں دے رہی
ہوں یہ کہیں زہر کا کام تو نہ کریگی۔ ضرورت ہے کہ ہر بہت مریض کو کھلانے پلانے وقت اچھی طرح اطمینان
کر لیں۔

بچوں کی پرورش اور چند احتیاطیں

بعض ناتجربہ کار مائیں بچوں کی پرورش میں یہ غلطی کرتی ہیں کہ شروع ہی سے بچوں کو وقت کا پابند نہیں بناتیں، جس کا نتیجہ ان کے اپنے واسطے تو برا ہوتا ہی ہے مگر بچوں کے لئے بہت خراب ہوتا ہے ایسے بچے بڑے ہوکر عمر بھر بھی وقت کے پابند نہیں ہوتے، کیونکہ جو کچھ انہوں نے ماں کی گود سے سیکھا ہے اسی پر انکو اپنی زندگی پوری کرنی ہے۔ مثال کے طور پر ایک دودھ کو لیجئے ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ بچے کو دودھ پلانے کے بعد دوسری دفعہ چار گھنٹہ میں دودھ دینا چاہیئے لیکن بہت کم مائیں اس اصول پر کاربند ہوتی ہیں۔ عام طور پر بچے کا رونا صرف اس کے بھوکے ہونے کی وجہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ غلط خیال ہے اگر اس کو شروع سے وقت کا پابند بنائیں تو وہ ان پھوہڑ ماؤں کے بچوں کی طرح جو دن رات خواہ مخواہ روتے رہتے ہیں بغیر کسی خاص تکلیف کے ہرگز نہ روئے ایک ڈاکٹر کی رائے ہے کہ رات کو دس بجے سے پانچ بجے تک بچے کو ہرگز دودھ نہ دینا چاہیئے اور اگر بیچ میں بچہ روئے تو اس کو اٹھا کر اس کا رومال بدلکر دوسری کروٹ سے سُلا دینا چاہیئے، وہ فوراً سو جائیگا اور دو چار ہی روز میں اس کو یہ عادت پڑ جائے گی کہ رات کو مطلق دودھ نہ پیئے، اس طرح نہ صرف بچہ ہی خوش رہے گا بلکہ ماں بھی بہت سی مصیبتوں سے بچ جائے گی۔ بچوں کی پرورش میں سب سے زیادہ نازک وقت دانت نکلنے کا ہوتا ہے، اور بہت سے بچے نادان ماؤں کے ہاتھوں ایسے

موقعوں پر ضائع ہو جاتے ہیں۔ دانت نکلنے وقت یہ احتیاطیں ضروری ہیں۔

(۱) دودھ پینے کا وقفہ کم سے کم چار گھنٹے ہو۔

(۲) بچہ کے پیٹ میں کوئی ثقیل یا دیر ہضم غذا نہ پہنچنی چاہیئے۔

(۳) ماں صرف وہ غذائیں کھائے جو آسانی سے ہضم ہو سکیں۔

(۴) بچہ کو قبض ہرگز نہ ہونے پائے۔

(۵) گو خود ماں کا دودھ مسہل ہے لیکن ضرورت ہو تو آخر ارنڈی کا تیل یا دارچینی کا سفوف آسانی سے قبض کو رفع کر دیتا ہے۔

(۶) ملہٹی کی چسنی ایسے وقت میں اچھی ہے کیونکہ مسوڑوں میں سلسلاہٹ ہوتی ہے۔

(۷) رنگین کپڑے جنکا رنگ چھوٹتا ہو ماں ہرگز نہ پہنے۔

(۸) نوزائیدہ بچہ کو بعض جگہ املتاس کی گھٹی دی جاتی ہے یہ یقیناً بُری ہے اور شیرہ خشت کا دینا بھی اچھا نہیں ہے کیونکہ اس سے مروڑ پیدا ہو جانے کا احتمال ہے اور یہی ابتدائی لاپروائیاں دانت نکلتے وقت بُری صورتوں میں ظاہر ہوا کرتی ہیں۔

(۹) دودھ پلانے کے ایام میں ماں کو پانی پینے کی بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ تھوڑا تھوڑا ٹھہر ٹھہر کے پینا مناسب ہے، ورنہ بچے کے پیٹ میں پانی کی اڑ ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، اور اس سے اور بہت سے مرض پیدا ہو جاتے ہیں۔ بہر حال جہاں تک ہو سکے احتیاط کرے۔

تربیت اور پرورش

یہ تو ہر ماں جانتی ہے وہ پڑھی لکھی ہو یا جاہل اچھی طرح جانتی ہے کہ اسکے بچے کی زندگی کا دارومدار صرف اس کی توجہ پر ہے۔ لیکن یہ بہت کم مائیں جانتی ہیں، اور جانتی ہیں تو اس پر عمل نہیں کرتیں کہ زندگی کی خوبیوں اور برائیوں کا دارومدار بھی ان ہی پر ہے۔ اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ بہت سے بچے صرف ماؤں کی جہالت کا شکار ہوتے ہیں اور کچھ تو قبر ہی میں جا سوتے ہیں۔ اور کچھ زندہ بھی مردے سے بہتر نہیں ہوتے۔ مثلاً ایک ماں اپنے بچے کو سلانے کے واسطے اس کو ڈراتی ہے۔ دال چپاتی۔ بی شادی بیچا ہوا۔ وغیرہ کا یقین دلا کر اس کے ننھے سے دل کو کمزور بنا دیتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ بچہ بڑا ہو کر دس گیارہ برس کی عمر میں بھی اگر رات کے وقت کسی ضرورت سے اُٹھتا ہے، تو ایک آدھ آدمی اپنے ساتھ جگا لیتا ہے کہ ڈر نہ لگے ترقی عمر کے ساتھ یہ خیال کتنا ہی کمزور ہوتا جائے مگر اس کا اثر قبر تک ساتھ جاتا ہے۔ اور ایک ایسی روح جس کو دنیا میں بہت کچھ کرنا تھا۔ ڈرپوک پست ہمت ہو کر بیکار ہو جاتی ہے۔

اسی قسم کی اور بہت سی باتیں ہیں جو ماں کی ذرا سی غفلت سے میل کا بیل اور بات کا بتنگڑ بن جاتی ہیں۔ بچہ کی پیدایش کے بعد سب سے پہلی ضرورت اور احتیاط یہ ہے کہ اس کے جسم پر کسی قسم کا میل کچیل یا آلایش موجود

نہ رہے۔ بالخصوص آنکھوں کی صفائی پر خاص توجہ کی ضرورت ہے بعض بچے پیدا ہوتے ہی آنکھوں کی شکایت میں مبتلا ہوجاتے ہیں جو اسی لاپرواہی کا نتیجہ ہے۔

دوسری بڑی غلطی بچے کے غسل میں ہوتی ہے کہ ناف کی احتیاط نہیں کیجاتی اور پانی پڑنے کیوجہ سے وہ یک کر سخت تکلیف دیتی ہے مناسب ہے کہ غسل کے وقت سخت احتیاط کیجائے کہ ناف پر پانی نہ پڑے اور اس کی بہتر صورت یہی ہے کہ ناف کو غسل کے وقت کسی کپڑے سے باندھ دیں۔

غسل کے سلسلے میں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ کمزور بچوں کے واسطے پانی میں دودھ کا ملانا بہت اچھا ہے اور اس کی ترکیب یہ ہے کہ اسپنج یا تولیہ بھگو کر بچے کے ایک ایک عضو کو خوب اچھی طرح اس سے دھو دینا چاہیئے۔

تربیت کے اہم فرض کی ذمہ داری جس قدر مدرسہ کے اُستادوں پر اور معلموں پر ہے، اُس سے زیادہ خود والدین پر ہے۔ اس لئے کہ اپنی اولاد کو عالم وجود میں لانے کے باعث وہی ہوئے ہیں۔ اُن پر واجب ہے کہ جس ہستی کو وہ عالمِ وجود میں لائے ہیں اُسے اس قابل بھی بنائیں کہ وہ اپنی زندگی اچھی طرح کاٹ سکے۔ اور کارزارِ عالم میں جو دقتیں آئیں اُس کا مقابلہ نہایت سنجیدگی اور استقلال سے کرے۔

بچّوں کی پرورش

بچّوں کی اموات کے کاغذات ثابت کر رہے ہیں کہ تمام دنیا میں جس قدر بچے پیدا ہوتے ہیں، ان میں سے ⅕ یعنی پانچواں حصّہ سال بھر کی عمر ہونے سے پہلے ہی بجائے ماں کی آغوش کے قبر میں پہونچ جاتا ہے۔ تحقیقات سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ ان میں سے پچھتر فیصدی یعنی چار میں سے تین صرف خوراک ہی کی بے احتیاطی کی وجہ سے ختم ہوتے ہیں، اور جو زندہ رہتے ہیں ان میں بھی اکیس فیصدی کے قریب ایسے مریل اور کمزور ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی قدرت کو بدنام کرنے کے سوا اور کسی کام کی نہیں وہ بارہ مہینے کے روگی، اور ہر وقت کے بیمار ہیں یہ غارت گری بہت جلد دُور ہوسکتی ہے اگر مائیں بچّوں کو خود دودھ پلائیں اور احتیاط سے پرورش کریں جو بچہ ماں کے دودھ سے پل رہا ہے وہ ہر حال میں اس بچے سے زیادہ تندرست موٹا تازہ ہوگا جو ماں کے دودھ سے محروم ہے اور یہ واقعہ ہے کہ بچے کی آئندہ زندگی کا تمام انحصار اس کی ابتدائی دو تین مہینہ کی عمر پر ہے جس ڈھرّے پر وہ اس وقت ڈالا جائے گا ہمیشہ ہمیشہ اسی پر رہے گا، اور چلیگا۔

بچّوں کی پرورش کی ذمّہ داری نہ صرف ماں پر رہتی ہے بلکہ یہ ایک قومی مسئلہ ہوجاتا ہے۔ ڈاکٹر جیبڈل اس کو قومی تنزل

کی ابتدا خیال کرتے ہیں۔

ماں کا کام یہ ہے کہ جو چیز بچے کے پیٹ میں جا رہی ہے اسکو اس نظر سے دیکھے کہ وہ صاف ہے تازہ ہے اور میل کچیل یا خرابی سے بالکل پاک۔ جوں ہی بچہ پیدا ہو جسقدر جلد ممکن ہو اسکو ماں کا دودھ دینا چاہیے اور وقت کے حساب سے ہر دو گھنٹہ بعد اسکو پلانا مناسب ہے پہلے مہینہ میں دن کو دو دو گھنٹہ کے بعد اور رات کو تین تین گھنٹہ کے بعد دودھ دینا نہایت ہی مفید ثابت ہوگا بشرطیکہ اس انتظام میں مطلق کمی بیشی نہ ہو۔ پہلا مہینہ ختم ہونے پر دن میں تین تین گھنٹہ بعد اور رات کو صرف دو دفعہ، ماں کا فرض ہے کہ وہ بچے کو سکھائے کہ دودھ آہستہ آہستہ پیئے اور ایک دفعہ میں صرف پندرہ منٹ مسلسل دودھ پلانا چاہیے۔ دو تو چھاتیاں ایک ایک کر کے منہ میں دینی چاہئیں ایک دفعہ ایک دوسری دفعہ دوسری، یعنی ایک دفعہ صرف ایک ہی سے پیٹ بھرنا چاہیے۔ دودھ پلانے کے بعد بچہ کو سیدھی کروٹ سے لٹا یا جائے۔ بچہ اگر بھوکا رہتا ہے تو ماں کو فوراً معلوم ہو جائے گا سب سے پہلے تو اس کے وزن کی ترقی سے کیونکہ چار اونس فی ہفتہ تا ایک پونڈ فی ہفتہ وزن میں بیشی ہوتی جاتی ہے اور پیدائش کے وقت عام طور پر بچہ کا وزن سات پونڈ ہوتا ہے۔ اس کے بعد اسکے چہرے کی رنگت اور حالت سے اس کی بھوک کا پتہ لگ سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ وقت پر وہ دودھ پینے کیواسطے وہ جس طرح تیار رہیگا اسی طرح وقت پر چھوڑنے کیلئے اور سب سے زیادہ دودھ پینے کے بعد اس کے ہنسنے اور ہاتھ پاؤں مارنے سے اسکی صحت کا اندازہ ہو سکتا ہے ماں کو بچہ کی خاطر سے چار رات سے زیادہ جاگنا نہ وہ تمباکو یا ورچیخانہ میں دیر تک بیٹھنا ثقیل غذائیں چھوڑ دینی چاہئیں، صرف دودھ پلانیکی باقاعدگی کامیابی کا بڑا راز ہے۔

بچّوں کی پرورش میں ماں کے تمام ہنر اور عیوب کی ذمّہ وار ہے۔ جب ہم کسی بچے کو ضدی، ہٹیلا گستاخ اور شریر دیکھتے ہیں، تو فوراً یہ سمجھ لیتے ہیں، کہ اس بچہ کا کوئی قصور نہیں۔ سرتاسر قصور اس کی ماں کا ہے۔ جس نے پرورش میں احتیاط نہ کی۔ اور بچہ ایسا اُٹھا۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بچوں کی پرورش میں بعض باتیں ایسی ہیں، جو اس ذمّہ داری کو بہت کچھ ہلکا کر رہی ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جب تک ہر ماں کو پورا پورا اختیار نہ ہو وہ پرورش کی ذمّہ دار نہیں ہے۔ جس قدر اس کے اختیار وسیع ہوں گے، اسی قدر اس کی ذمّہ داری درست ہے۔ ہمارے ہاں ابھی یہی مسئلہ طے نہیں ہوا کہ بیوی کی حیثیت کیا ہے۔ آیا وہ گھر کی چار دیواری میں پوری حکومت کا حق رکھتی ہے، یا محض شوہر کی اطاعت اور اس کے آرام و آسائش کے لئے لائی گئی ہے۔

میرا مطلب زیادہ صاف اس طرح ہوگا ایک بچہ نے کوئی قصور کیا ماں نے مناسب سمجھا کہ اس کو تنبیہ کرے۔ چنانچہ اس نے ایک کونہ میں اس کو کھڑا کر دیا کہ جب تک اجازت نہ ہو وہ وہیں کھڑا رہے۔ ابھی اس سزا کو دو منٹ بھی نہ ہوئے تھے کہ ادھر سے دادی اور اُدھر سے پھوپی آئیں اور بچے کو گود میں اُٹھا کر نہ صرف پیار کیا بلکہ ماں کو اس ہی کے سامنے بُرا

بھلا کہنا شروع کیا۔

اب فرمائیے کہ اس بچہ پر ماں کی سزا کا کیا اثر ہوا؟ کیا اب وہ آئندہ ایسا قصور نہ کرے گا۔ جس پر اس کو سزا دی گئی تھی۔ یہ سزا اس کے واسطے اور زہر ہوئی کہ اس کا دل اور شیر ہوا، اور وہ ہرگز آئندہ خوف نہ کریگا۔ کیونکہ اس کو یقین ہو گیا کہ میرے حمایتی موجود ہیں۔

بہو اگر ساس سے یہ کہے کہ آپ میرے بچے کو آگے دیگر برباد کرتی ہیں، یا نند سے کہے کہ تم حمایت نہ لو، تو اس کی مجال نہیں۔

جن لڑکیوں کو ساس نندوں سے سابقہ نہیں پڑتا وہ ان کی ایسی عمر ہوتی ہے جب چار پانچ بچے ہو چکتے ہیں۔ لیکن ایک دو بچوں کی پرورش میں تو یہ واسطہ قائم ہی رہتا ہے۔ ایسی حالت میں کیوں یہ نہ کہا جائے کہ باپ کا فرض ہے کہ بچوں کی پرورش میں ماں کو ان کی تنبیہ کا پورا پورا اختیار دے۔ ورنہ بچوں کی تربیت کی خرابی میں باپ پر بھی بڑی حد تک ذمہ داری عائد ہو گی۔

پرورش اطفال میں احتیاطیں

بعض مائیں بچوں کا رونا صرف ان کے بھوکا ہونے کی دلیل سمجھتی ہیں اور انکے خاموش کرنیکا ذریعہ دودھ دینا ہے۔ ماکا دودھ بچہ کو کسی حالت میں مضر نہیں مگر اس بے ترتیبی کا نتیجہ مضر ہوتا ہے وہ خوراک میں بھی وقت کا پابند نہیں رہتا اور پیٹ بگڑ جاتا ہے۔ ماکا فرض ہے کہ وہ بچے کے رونے کیوجہ معلوم کرے ممکن ہے اسکے پیٹ میں درد ہو، پسلی مونڈھا وغیرہ جاتا رہا ہو، یا کسی اور عضو میں درد ہو تو ہر عضو کو دبا کر دیکھنا چاہیئے جس میں تکلیف ہوگی اسی کے دبانے سے بچہ زیادہ روئے گا۔

ماؤں کو دودھ پلانے ہی میں بچوں کو وقت کا پابند کر دینا چاہیے ایک وقت مقررہ پر ہمیشہ دودھ دینا چاہیئے یہ نہیں کہ جب بچہ رویا اور دودھ دے دیا۔

بہت سی باتیں ہیں کہ ایک ماکو بچہ پالنے سے قبل معلوم ہو جانی چاہئیں، مثلاً سردی کا اثر پیدا ہوئے بچہ پر اس قدر زیادہ ہوتا ہے جس طرح گرم ہوا اور تیز ہوا کا پانی، خربوزہ، تربوز، متیرا یا اسی قسم کی اور چیزیں ماکا کھانا تو درکنار بچہ کے قریب بھی نہ آنی چاہئیں۔ دھواں بچہ کی آنکھوں کے واسطے بہت ہی خطرناک چیز ہے۔

بچہ اگر دودھ آسانی سے نہ دبا سکے تو اس کی ہنسلی اتر گئی ہے۔ ناف اگر پک جائے تو ہر وقت سرمہ چھڑکنا چاہیئے۔ ڈھاک کے پتوں کی ڈنڈیاں بھی گھس کر لگانی مفید ہیں۔

بچہ کی تعلیم کس طرح اور کب شروع ہونی چاہیئے

بڑے بڑے پرانے درخت پہلے جڑیں نکالتے ہیں - یہ فقرہ ہے تو ذرا سا مگر بڑی خوبیوں بھرا - آجکل تعلیم کا بہت چرچا ہو رہا ہے، مگر بالکل بادہوائی' جس طرح درخت جب تک اس کی جڑ زمین کے اندر خوب مضبوطی سے نہ پھیلے کمزور ہوتا ہے اور اسکی لکڑی بیکار سی ہوتی ہے اسی طرح آجکل کے تعلیمی چرچے ہیں -

ہماری یہ رائے نہیں ہے کہ تعلیم صرف مکتب یا مدرسہ جانے ہی کے معنے ہیں - ہم تعلیم اور کتاب کے پڑھ لینے کے ایک ہی معنے نہیں سمجھتے' بلکہ ہماری رائے میں بچوں کی مدرسہ کی زندگی کتابوں سے لدی ہوئی ہوتی ہے -

تعلیم کی تعریف یہ ہونی چاہیئے کہ بچہ میں جو موروثی قابلیتیں ہیں ان کی پرورش کرنا اور ان کو ترقی دینا اس عمل کا نام تعلیم ہے - یہ عمل اس طرح کیا جائے کہ عقلی' اخلاقی، جسمانی اور روحانی قابلیتیں انتہا تک بچہ میں پیدا کیجائیں - گو یہ ایک وسیع تعریف ہے مگر درحقیقت کچھ بھی وسیع نہیں اور اگر اس کو اتنی وسعت نہ دی جائے تو اس کی اصلی خوبی ظاہر نہ ہوگی -

موجودہ ضروریات

زمانہ تبدیل ہو گیا ہے - ہمارے خیالات وسیع ہو گئے ہیں کوئی ہوشیار اُستاد تعلیم کے اصول کو

مکمل نہیں خیال کرتا جب تک کہ اس میں جسمانی دماغی اور روحانی ترقی کو درجۂ اعلیٰ تک مدنظر نہ رکھا گیا ہو۔ بغیر کامل جسم کے دماغ صحیح ہونا بالکل ناممکن ہے بڑے بڑے اور مضبوط ڈنڑ قبضے خواہ مرد کے ہوں یا عورت کے صرف ایک نمائش ہی ہیں، جب تک کہ ان کے ساتھ دل و دماغ کی قابلیت اعلیٰ درجہ کی نہ ہو۔

کیا یہ ضروری ہے کہ پُرانا طریقۂ تعلیم جاری رہے؟ کیا یہ مناسب ہے کہ ہر ایک ماں یا باپ صرف اپنے آپ رشتہ کنبے والوں کو دیکھ دیکھکر تھوڑا بہت تجربہ اور علم حاصل کرلیں؟ اور بس۔

ہم کو چاہیئے کہ گو بچہ ابھی انگوٹھا چوستا ہی ہوا ہے مگر ہم سوچیں اور اپنے دلمیں نقشہ جمائیں کہ ہم اس کو کس طریقہ پر چلائیں گے زیادہ دور دراز کے خیالی پلاؤ نہ پکاؤ صرف اپنے دل میں یہ عملی سوال کرو کہ آٹھ دس برس کا بچہ ہوگا تو ہم اس کو کیا کیا بنائیں گے؟ ہم نے اس عمر کو اس لئے پسند کیا ہے کہ بنیاد چونکہ اچھی طرح سے مضبوط ہوگئی اس پر ہم آئندہ جس قسم کی عمارت تعمیر کرنی چاہیں کر سکتے ہیں۔

نئے خیالات

آٹھ دس برس کی عمر میں لڑکا ہو یا لڑکی اچھی طرح بڑھی ہو جاتی ہے، اور جسم اور اعضا قوی ہوجاتے ہیں ضروری قوی تکمیل کو پہنچ جاتے ہیں۔ آنکھیں، کان اور اور قوی عقلی کامل ہوجاتے ہیں ہاتھ پاؤں اور ہر ایک رگ و ریشہ دماغ کی حالت کو سمجھنے کے لائق ہوجاتا ہے غرضنکہ اس عمر میں بچہ ہر طرح سے کامل اور دنیا اور دنیا کے لوگوں کو سمجھداری کے ساتھ دیکھنے کے قابل ہوجاتا ہے۔ ایسی سمجھ جو تندرستی، صفائی قلب اور معصوم ضمیر سے پیدا ہوتی ہے۔

ڈرانا یا بزدل بنانا گویا اُس کے دل کو مار دینا ہے۔ اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا بلکہ پورا پورا نقصان پہنچتا ہے۔ دنیا میں جتنے بڑے بڑے اور نامور آدمی ہوئے ہیں وہ ایسے نہیں تھے جو ڈر کو جانتے ہوں۔ البتہ بُری باتیں کرنیکا ڈر اگر وہ ڈر کہلا سکے پیدا کرنا چاہیئے مگر وہ اس طرح نہیں ہونا چاہیئے کہ بچہ خوف زدہ ہو بلکہ اس کو اس بات کا عادی کرنا چاہیئے کہ وہ بُری بات کرکے پشیمان ہو۔ اور اُسے بُرا سمجھے۔ تم کو یہ خیال ہوگا کہ ہم نے آنکھ کان یہاں تک کہ دانتوں تک کی حفاظت کو اصول تعلیم کا ایک ضروری جزو قرار دیا ہے۔ بیشک یہ بہت ضروری امر ہے اس جاننے سے بھی ضروری کہ ۲ اور ۲ چار ہوتے ہیں۔

تعلیم کے معنی بتا دینے کے بعد دوسرا سوال یہ ہے کہ تعلیم کب شروع ہونی چاہیئے یہ ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے پیدا ہونے کی ساعت سے ہی وہ ایک نہایت کامل استاد کے ذریعہ سے شروع ہو چکتی ہے جیسا کہ ایک انگریزی شاعر بیان کرتا ہے۔

" قدرت جیسی بڑھیا انّا نے بچہ کو اپنے گھٹنے پر لیا اور کہا کہ یہ
ایک کہانیوں کی کتاب ہے جو تجھکو تیرے پروردگار نے بخشی ہے "

بچہ کے اعضاء کی پہلی حرکت اور پہلے ہی سانس سے تعلیم شروع ہوگئی ہے ہاں یہ ہمارا کام ہے کہ اس کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیں۔

حال کے طریقے

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مستقل باقاعدہ اور محبت آمیز حفاظت و خبرگیری تعلیم کے ذریعوں میں سب سے زیادہ لازمی اور ضروری ذریعہ ہے۔ مگر یہ خبرگیری عقلمندی اور ہوشیاری کیساتھ کرنی چاہیئے اور اگرچہ ہمیشہ ملامت کیساتھ کیجائے تاہم اصرار کے ساتھ بچہ کو درست راستہ پر چلانے والی ہو۔ ایک جاہل آدمی کے نزدیک ایک شیرخوار بچہ کی تعلیم کا مسئلہ لغو ہوگا۔ مگر ایک ہوشیار اور سمجھدار ماں اس کو ایسا نہیں سمجھے گی۔ ہر ایک

ہوشیار ڈاکٹر چھوٹے بچے کو دیکھکر یہ بتا سکتا ہے کہ اس کو ٹھیک اسی طریقے سے جو ابھی بیان ہوا اُٹھایا گیا ہے یا نہیں یعنی یہاں تک کہ اُس کو ہاتھوں میں لینے تک میں باقاعدگی برتی گئی ہے یا نہیں - بیا سوجہ سے کہ بچہ ہاتھوں میں رہنے کا عادی ہو گیا ہے - اور اُس کو ضروری سمجھنے لگا ہے ایسے بچے جنکو باقاعدگی کے ساتھ نہیں اٹھایا جاتا - ہمیشہ سخت "تکلیف کے باعث ہوتے ہیں - گو یہ ایک خفیف سی بات معلوم ہوتی ہے - مگر درحقیقت بہت بڑی ثابت ہوتی ہے - بیماری کے موقعہ پر ایک بچہ کا علاج جو مناسب طور پر اُٹھایا گیا ہے - بہت کامیابی کے ساتھ ہو سکتا ہے - بہ نسبت اُس کے جو نہیں اٹھا گیا -

ابتدائی ضروریات تعلیم کے اِن ابتدائی مراحل کو کن طریقوں سے عمل میں لانا چاہیئے ؟ سب سے پہلے باقاعدگی کی ضرورت ہے - ایک فلاسفر کہتا ہے کہ تمام تعلیم اسی میں ہے کہ عادتوں کی بنیاد اچھی طرح ڈالی جائے - اور دراصل بچے جو کہ چند آدمی ہی پہچان سکتے ہیں عادتوں کے کیڑے ہوتے ہیں - ان کو کھلاؤ پلاؤ' ان کو نہلاؤ دُھلاؤ' ان کی صفائی کا خیال رکھو' ان کو باہر لے جاؤ یا اندر لاؤ' اور ان کو سلاؤ مگر یہ باتیں ایسے مقررہ وقت پر اور باقاعدگی کے ساتھ کرو جیسے کہ کر سکتے ہو - پھر تم کو ان کی بھوک کی' یا بدہضمی کی' یا نیند نہ آنے کی' یا بدمزاجی کی' کسی بات کی بھی شکایت نہ ہوگی' بچے کے ساتھ سب کچھ کرنا چاہئیے - مگر وقت مقررہ پر چاہے وہ روئے یا جھنکے

(انگریزی سے آزاد ترجمہ)

والدین کو اولاد کیساتھ کس طرح رہنا چاہیئے

اکثر والدین اپنی اولاد کے ساتھ ایسا سخت برتاؤ رکھتے ہیں، کہ لڑکوں پر ہر وقت اُن کی دہشت قائم رہتی ہے، اور وہ اُن کے سامنے کوئی بات زبان سے نکالتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ ایسی حالت میں جب کبھی وہ کوئی بُری بات سُنتے ہیں، یا کوئی بُری عادت سیکھنے لگتے ہیں، تو اُس کو والدین سے اس قدر چھپاتے ہیں، کہ اُنہیں اس کی اطلاع ہی نہیں ہونے پاتی۔ یہاں تک کہ وہ بُری عادت لڑکے میں پختہ ہو جاتی ہے۔ برخلاف اس کے اگر والدین کا برتاؤ اولاد کے ساتھ بالکل دوستانہ و ہمدردانہ ہو، اور بچہ کو اُن کے اوپر ہر طرح کا بھروسہ ہو، تو وہ جب کوئی نئی بات سُنے گا، یا دیکھے گا، تو آکر اُن سے ضرور ذکر کرے گا۔ اور اس طرح اگر وہ کوئی بری بات ہوئی، تو اُس کی اصلاح فوراً ہو سکتی ہے۔ آدمی دشمن سے اپنی باتیں چھپاتا ہے، مگر دوست پر ظاہر کر دیتا ہے، اس لئے والدین کو اگر اپنی اولاد کے ہر طرح کے راز پر اطلاع منظور ہے، تو چاہیئے کہ اُن کے دوست بن کر رہیں۔

یہ بات مانی ہوئی ہے کہ صحت کا دارومدار جسم اور لباس کی صفائی پر ہے بچوں کے کپڑے بڑوں کی نسبت زیادہ اور جلد میلے ہوتے ہیں، ان کے بچھونے اکثر خراب حالت میں رہتے ہیں۔ کیونکہ بعض مائیں صفائی کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتیں۔ ایک ہی نہالچے کو گیلا ہوجانیکے بعد دھوپ میں ڈالکر سکھانا چاہتی ہیں اور جب وہ سوکھ گیا تو اسکو کام میں لاتی ہیں۔ نہالچوں کے اوپر ایک قسم کا کپڑا ہمیشہ ایسا رہنا چاہیئے جو نہالچے کو خراب نہ ہونے دے۔ اور اس قسم کے دس بیس کپڑے گھر میں موجود رہیں۔ جو دھل کر بدلتے رہیں ان کے دھونے کے واسطے سنلائٹ صابن بہت مفید ثابت ہوگا۔ میلے کپڑے کو گرم پانی میں ڈال کر پھر صابن سے دھوکر خشک کر لینا چاہیئے۔

آجکل ہر چیز گراں ہوتی جاتی ہے، دھوبیوں کے بھی مزاج بڑھتے جاتے ہیں، اگر بچوں کے کپڑے دھونا بھی خانہ داری میں شامل ہوجائے تو عیب نہیں اور چونکہ صحت کا تعلق صفائی سے ہے اس لئے کپڑے صاف ہوں گے تو مائیں اس تکلیف سے بھی بچیں گی جو بچوں کی بیماری سے ان کو ہوگی۔ بچوں کے میلے کپڑوں سے دیکھنے والوں کو بھی گھن آتی ہے اور بچوں کی صحت پر بھی اس کا اثر برا پڑتا ہے ولایت میں عام طور پر بلکہ ہندوستان میں بھی انگریز مائیں بچوں کے کپڑے گھر ہی میں دھوتی یا دھلواتی ہیں اور دھوبیوں کی محتاج نہیں رہتیں۔

مشرق اور مغرب میں جس طرح باعتبار مسافت کوسوں کا فرق ہے اسی طرح انکی بود و باش طرز تمدن میں بھی آسمان و زمین کا اختلاف ہے۔ دونوں کے نمونے ہمارے سامنے ہیں، اور ہمارا کام یہ ہے کہ انہیں سے وہ چیزیں لیں جو دونوں کا عطر اور ہمارے حالات کے موافق ہوں اس انتخاب کے وقت ہمکو سب سے پہلے تعصب کی اس عینک کو اتار دینا چاہئیے جس سے ہم مغرب کو دیکھتے ہیں اور ان آنکھوں کو بند کر دینا چاہئیے جس میں ہر ادا مشرق کی مقبول و مرغوب ہو رہی ہے۔

"خذ ما صفا دع ما کدر" ایک مشہور مقولہ ہے اور اسپر عمل کرنا ہر معقول شخص کا کام ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہماری خواتین اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس پر عمل بھی کرتی ہیں اور وہ اس طرح کہ ترکاری بناتے وقت چھلکے پتے ڈنٹھل علیحدہ کئے اور کھانے کے قابل حصہ لے لیا۔ گیہوں بناتے وقت جھاڑا پھونکا پچھٹکا کوڑا کرکٹ الگ کیا صاف ستھرے کام میں لئے اسی کا نام "خذ ما صفا دع ما کدر" ہے۔

ہماری بہنیں مشرقی تعلیم و تربیت میں پیدا ہوئیں اسی میں آنکھ کھولی اسی میں رہنا سہیں۔ لیکن ضرورت یہ ہے کہ وہ مغربی تعلیم و تربیت کو بھی دیکھیں اور ان دونوں کو ملا کر اس سے ایک معقول نتیجہ بچوں کی تربیت کا پیدا کریں میری بحث اسوقت محض تربیت سے ہے لیکن اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگلے زمانہ میں جو بچے پیدا ہوتے تھے ان کی تربیت ناقص ادھوری خراب ہوتی تھی، بلکہ ہر وقت کا ایک تقاضا ہوتا ہے

اور انسان کو زمانہ کی رفتار کے ساتھ چلنا پڑتا ہے جس طرح پتنگ ہوا کے ساتھ اڑتی ہے اسی طرح ہمارا فرض ہے کہ ہم زمانہ کا ساتھ دیں لیکن اندھا دھند نہیں سوچ سمجھ کر۔

ہمارے ہاں بچوں کی تربیت میں بہت سی باتیں کچھ اس بری طرح داخل ہوئی ہیں کہ ان کے پھندوں سے نکلنا بہت ہی مشکل معلوم ہو رہا ہے اس سلسلہ میں سب سے پہلے جن بھوت آسیب اور اوپری خلل کا اندیشہ ہے جس کی وجہ سے دم بھر کو بچہ اکیلا نہیں چھوڑا جاتا۔ برخلاف اسکے مغرب میں بلا ضرورت ماں بچے کے پاس کبھی نہیں آتی۔ وہ الگ سوتا ہے الگ رہتا ہے نہ یہ کہ کھلونہ کی طرح ہر وقت بغل میں رہے ہوا کے خراب ہونیکے علاوہ اسکا ایک یقینی نقصان تو ہمکو یہ پہونچتا ہے کہ بچہ رفتہ رفتہ اسکا عادی ہو کر ماں کو اس طرح چمٹتا ہے کہ اسکی زندگی صرف بچہ کیلئے وقف ہو جاتی ہے وہ نہ خاوند کی کسی خدمت کے قابل رہ سکتی ہے نہ عزیز و اقارب کے ملنے جلنے کے لایق اگر ابتدا ہی سے اس کی تربیت اس طرح ہوتی کہ صرف ضرورت کیوقت اسکو گود میں لیتی تو وہ بڑا ہو کر ہرگز اس بات کا ماں سے متوقع نہ ہوتا کہ وہ ایک ہاتھ سے آٹا گوندھے اور دوسرے ہاتھ سے اس کو تھپکتی رہے۔

پہلی غفلت تو یہ تھی جس نے ماں کی جیتی جاگتی جان کو وبال جان کر دیا اس پر لڑکی یہ شکایت کہ کیسا ضدی کتنا بدذات اور شریر بچہ ہے، غلط اور نامعقول ہے جیسا اس نے اُٹھایا وہ اٹھا وہ اس کے سپرد جس وقت کیا گیا تھا اسمیں نہ کوئی خوبی تھی نہ نقص جو عادتیں ماں نے ڈالیں وہ ہوئیں اور جس طرح اس نے سدھایا وہ سدھا۔

ضدی ہونیکی شکایت اکثر بچوں کی سُنی جاتی ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بچہ قدرت کی طرف سے ضدی نہیں پیدا ہوا تھا۔ اگر اندھی ممتا دو چار دفعہ ضد پوری نہ کرتی تو اسکا نام و نشان تک نہ رہتا اگر بیجا ناز برداری نہ ہوتی تو یہ نوبت ہرگز نہ آتی کہ بچہ کی چیخم دہاڑ نے گھر بھر کے کان کھائے۔ میں نے ایک دفعہ سال بھر کے ایک مغربی بچہ کو دیکھا کہ وہ صابن کی ٹکیہ پر مچلا جو ماں کے ہاتھ میں تھی دو تین دفعہ تو اس کو ماں نے ڈانٹا مگر

جب وہ نہ مانا تو اس نے اپنے کمرے سے باہر نکال دیا اور اسوقت تک نہ گھسنے دیا جبتک وہ خاموش ہو گیا۔

ہمارے ہاں ایک بہت برا طریقہ مار دھاڑ کا ہے ذرا کوئی بات خلاف مزاج ہوئی اور تڑ سے تھپیڑ مار دیا۔ لیکن اسکا نتیجہ کیا ہوتا ہے بجائے اس کے کہ بچہ آیندہ وہ کام نہ کرے وہ اور ڈھیٹ ہو جاتا ہے اگر بچہ سے کوئی قصور ہو جائے تو ماں کا پہلا کام اس قصور کی نوعیت کو دیکھنا ہے اور یہ غور کرنا ہے کہ اسکی نیت اس فعل میں کیا تھی۔ فرض کرو ایک ماں نے بچہ کو حکم دیا کہ شیشہ کا گلاس اٹھا لاؤ بچہ نے تعمیل کی مگر گلاس ہاتھ سے چھوٹ گیا اور ٹوٹ گیا۔ کیا بچہ کی نیت قابل سزا ہے اور اگر اسپر ماں بچہ کو سزا دے تو کیا اسکا نتیجہ اچھا پیدا ہوگا۔ ہرگز نہیں۔ قدرت نے ننھے ننھے دماغوں میں بھی خیالات کا مادّہ ودیعت کیا ہے جو ماں کی گود میں نشو و نما پا کر پھلیں گے اور پھولیں گے اسلئے ماں کا پہلا فرض بچہ کے خیالات کی اصلاح اور عادات کی درستی ہے بہ لحاظ عمر چھوٹی چھوٹی باتیں کچھ نہ معلوم ہوں۔ لیکن درحقیقت یہ بچہ پر اپنا پورا پورا اثر کرتی رہتی ہیں ایک مغربی خاتون کا خیال ہے:—

ماؤں اپنے پیارے بچوں کا دل میلا نہ ہونے دو اور کوشش کرو کہ وہ تم سے ایسی بات کی توقع ہی نہ کریں جسکو تم پورا نہیں کر سکتیں یا کرنا نہیں چاہتیں گو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دلمیں کوئی واقعہ جگہ پیدا نہیں کر سکتا۔ اِدہر کسی بات پر مزاج بگڑا آنسو بہنے لگے، اُدہر ماں کی محبت بھری نظروں نے تسکین دی تو کمہلایا ہوا چہرہ پھول کی طرح کھل گیا۔ وہ ہونٹ جن پر ابھی آنسوئیں کے قطرے گیلے موجود ہیں مسکرانے لگے۔ لیکن اچھی طرح یاد رکھنا کہ وہ واقعہ جو خلاف مزاج ہوا تھا ننھے سے دل سے فراموش نہیں ہوا، اور وہ کسی نہ کسی وقت ضرور رنگ لائے گا۔

بچوں کی بُری صحبت

یہ تو سب جانتے ہیں کہ ماں کی گود بچہ کا پہلا مدرسہ ہے، مگر ایسا کیوں ہے اسلئے ہے کہ اس کو شب و روز اسی سے پالا پڑتا ہے۔ وہ جو کچھ دیکھتا ہے، وہ جو کچھ سنتا ہے اور جو کچھ سیکھتا ہے وہ اسی جگہ سے۔ یہ بھی ایک اصول مسلمہ ہے کہ بچہ جو کچھ دیکھتا ہے اس کے نقل کرنے کا مادّہ اسمیں بہت زیادہ موجود ہے اور بہت آسانی سے سیکھ لیتا ہے۔ اس لئے اگر ماں کی گود قابل اصلاح ہوئی تو اس لئے نہیں کہ وہ ماں کی گود ہے بلکہ اس لئے کہ اسکو ہر وقت اسی میں رہنا پڑتا ہے، وہ یہیں سے سیکھتا ہے اور یہیں سے سب کچھ حاصل کرتا ہے۔ اگر اس گود میں اس نے یہ دیکھا کہ محبت کرنیوالی ماں نماز کے مقابلہ میں ہر ضرورت کو ٹھکرا دیتی ہے تو یقیناً اس کے ننھے سے دماغ میں نماز کی وقعت قائم ہوگی، اور یہی وقعت اس بچہ کو آئندہ چلکر نمازی بنادیگی، لیکن اگر وہ اس کے برخلاف دیکھے گا تو بڑا ہونے کے بعد نمازیوں کا مجمع، مولوی صاحب کا وعظ، مستند کتابیں، غرض کوئی طاقت بھی اُسکو مشکل سے نمازی بنا سکے گی۔ اسی واسطے ماکو بچہ کی پرورش میں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسکی ذمہ داری معمولی ذمہ داری نہیں ایک اہم ذمہ داری ہے۔

بحث یہ ہے کہ بچہ کی پرورش میں ماں کی گود کو جو وزن دیا گیا وہ صرف اسلئے کہ اسکا پہلا مدرسہ یہی ہے۔ ماں کے علاوہ اگر کھلائی، دایہ، نرس ہو تو وہ بھی اسی قدر وزنی ہے۔ اسواسطے جو والدین اپنے بچے انکو دایہ یا دوسری عورتوں کے سپرد کرتے ہیں انکو ان

بچوں کی پرورش اور تربیت میں ایک نہایت تکلیف دہ چیز بچوں کا ندیدہ ہوتا ہے کہ جہاں کسی کو کچھ کھاتے دیکھا اور آ کھڑے ہوئے، مائیں جب یہ دیکھتی ہیں کہ اُنکے بچے کسی کے کھانے میں کھڑے ہیں یا کوئی کچھ کھا رہا ہے اور گھور رہے ہیں تو انکو بہت ناگوار ہوتا ہے اور منع کرتی ہیں بلکہ مارتی بھی ہیں مگر اسپر غور نہیں کرتیں کہ بچے کے ندیدے ہونے کی وجوہ کیا ہیں۔ اچھی چیز کھانے کو جس طرح بڑوں کا جی چاہتا ہے اسی طرح بچوں کا، بڑوں اور بچوں میں یہ فرق ہے کہ وہ اپنی اور پرائی چیز نہیں سمجھ سکتے، ضرورت ہے کہ بچوں کی پرورش میں یہ احتیاط کیجائے کہ انکو پرائی چیز سے لینے یا کھانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ بچوں کے ندیدے ہونیکی زبردست وجہ یہ ہے کہ وہ جہاں جا کر کھڑے ہوئے اور انکو کچھ مل گیا، اگر دینے والے یہ سمجھ لیں کہ کسی بچہ کو کچھ دینا اس کو برباد کرنا ہے، اور کچھ نہ دیں تو بلاشبہ اُنکی یہ عادت رفع ہو جائے اور جب توقع نہ رہے تو ہرگز نہ جائیں۔ کیونکہ وہاں لیجا کر کھڑا کرنے والی چیز تو توقع ہی ہے، مگر اسکا کیا علاج ہو سکتا ہے کہ دینے والے کو منع کر دو تو اسکو ناگوار ہوتا ہے کہ ہم کو غیر سمجھا اور ہماری چیز کی حقارت کی، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، ہم اپنے بچے کو بربادی سے بچاتے ہیں۔ دوسرا یہ کہتا ہے کہ برباد ہو تو بلا سے مگر میرے آم کی پھانک کھا لینے دو۔ ہماری معاشرت میں یہ بہت ہی غلط اصول ہے۔ اگر کسی صاحب کو کچھ دینا ہو تو یہ کیا ضرور ہے کہ بچے کے ہاتھ میں دیا جائے اسکے ماں باپ موجود ہیں انکو دینا چاہیئے اور بچے کو ہٹا دینا چاہیئے، اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر دو تین دفعہ ایسا ہوا تو بچے کی توقع باقی نہ رہے گی اور پھر وہ کسی کے کھانے میں جا کر کھڑا نہ ہوگا۔

بات کی سخت احتیاط کرنی چاہیئے کہ یہ بچے کھلانیوالی عورتیں بُرے اخلاق کی نہ ہوں اس کے ثبوت میں دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

ایک بچہ جبتک ہاتھوں اور گودوں میں رہا نہایت نیک اور شریف طبیعت کا تھا چھ برس کی عمر تک اسکی کیفیت یہ تھی کہ ہر حکم کی تعمیل فوراً کرتا اور کسی قسم کی شوخی شرارت کے پاس نہ جاتا مگر جب وہ مدرسہ بٹھایا گیا تو روز ایک نئی شرارت سیکھ آتا یہ صرف بُری صحبت کا اثر تھا چنانچہ چند ہی روز میں یہ غریب بچہ خاصا اچھا شریر ہو گیا۔

دوسری مثال ایک اور بچہ کی دیکھی جو فطرتاً نہایت غریب اور نیک تھا اور پانچ برس کی عمر میں جب وہ اپنے باپ کے پاس سے آیا تو اسمیں کوئی عیب نہ تھا مگر جب ماں چارسال کے بعد میکے آئی اور زیادہ نہیں صرف چھ مہینے ایسے گھر میں رہی جہاں تین چار شریر بچے موجود تھے، تو یہ بھولا بھالا بچہ بھی ان کی صحبت میں پورا شیطان ہو گیا، اور جب ماں دوبارہ اپنے شوہر کے پاس جانے لگی ہے تو میکہ کی یادگار بچہ کی شرارت اس کے پاس ایسی تھی جو عمر بھر فراموش نہ کرے گی۔

ان باتوں کو سامنے رکھکر ہر ماں اچھی طرح سمجھ سکتی ہے کہ بچہ کی پرورش اور تربیت میں اسکو بری صحبت سے بچانے کی کیسی اشد ضرورت ہے اور جو چیز کہ اوّل دن سے بچہ کی طبیعت میں بیٹھ گئی پھر اس کا زائل ہونا آسان نہیں۔ اسکا کھلا ہوا ثبوت ہم نے اپنی آنکھ سے اس طرح دیکھا کہ شاہجہانپور سے ایک لڑکی ہمارے ہاں تربیت گاہِ بنات میں داخل ہوئی لڑکی کے باپ پڑھے لکھے نہ تھے، اور ابتدائی پانچ چھ سال وہ بہت چھوٹی حیثیت کے لوگوں میں رہی۔ چنانچہ اس قیام نے اس کی زبان اور ذہن اس قدر برباد اور غارت کردیا کہ باوجود سخت کوشش کے ایک حرف نہ پڑھ سکی۔

بچوں میں سگریٹ کا رواج

جو بیویاں کسی بچہ کی پرورش کر چکی ہیں یا کر رہی ہیں وہ اچھی طرح جانتی ہیں کہ بچہ جو کچھ سیکھتا ہے وہ گھر سے ہر کام جو وہ اپنے ماں باپ یا اور کسی کو کرتے دیکھتا ہے وہ اسکی نقل کرنیکی کوشش کرتا ہے اور آخر کامیاب ہوتا ہے۔ ہر نئی چیز جو اس کے سامنے آتی ہے وہ اپنے ممکن ذرائع سے اس کے معلوم کرنیکی کوشش کرتا ہے اور ننھے سے انسان میں تحقیقات کا جو مادہ قدرت نے عطا کیا ہے وہ برابر اپنا کام کرتا رہتا ہے۔

یہ بھی کچھ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے (اور اسمیں بچوں یا بڈھوں کا ذکر نہیں) کہ جو کام کسی ایسے شخص سے سرزد ہو جسکو اُن کی عقل بہتر آدمی سمجھ رہی ہو خود بھی ویسا ہی کریں چنانچہ یورپ میں ہزاروں آدمیوں نے صرف اسوجہ سے گلے میں رومال باندھنا شروع کر دیا تھا کہ ایک مشہور آدمی ایسا کرتا تھا۔ اس کی مثال شاید یہ زیادہ بہتر ہوگی کہ جب فاتح قوم غیر ممالک میں داخل ہوتی ہے تو باوجود قطعی غیر ہونے کے اسکی معاشرت کا اثر مفتوح پر پڑتا ہے اور عقلمندوں کے ہر فعل کی لوگ خوشی سے نقل کرتے ہیں غرض بچوں کی تربیت میں والدین کو یہ خیال نہایت ضروری چاہیئے کہ انکے سامنے کوئی کام ایسا نہ ہو جو کسی اعتبار سے خراب ہو۔

آجکل سگرٹ پینے کا رواج اس بری طرح ترقی کر رہا ہے کہ دیکھکر ہوش اڑتے ہیں چھوٹے چھوٹے بچے پانچ پانچ چھ چھ برس کے سگرٹ اور بیڑی منہ میں لیئے دھواں چھوڑتے نظر آتے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ شروع میں ان کو نشہ اسکی

طلب ہوتی ہے نہ لت اور نہ عادت بلکہ دوسروں کو دیکھ دیکھ کر محض ایک تفریح اور کھیل کے طور پر وہ بھی منہ سے بہت بہت دھواں نکالنا چاہتے ہیں اور رفتہ رفتہ وہ کھیل یا شوق طلب اور عادت ہوجاتا ہے۔ اب یہ تو بہت مشکل سے ممکن ہو کہ سارے محلّہ کا انتظام کیا جائے اور عزیز اقارب برادری کنبہ پڑوس یہ لحاظ رکھیں کہ چھوٹے بچوں کے سامنے سگریٹ نہ پئیں۔ اگر سوسائٹی اس لایق ہوتی تو رونا ہی کس بات کا تھا۔ بزرگ اس امر پر تو بہت جلدی بگڑ جائیں گے کہ چھوٹوں کا ہمارے سامنے سگرٹ پینا سخت بے ادبی اور گستاخی ہو اور بعض پرانے خاندانوں میں اب بھی یہ دستور ہے کہ جوان اپنے بڈھوں کے سامنے حقہ یا سگریٹ استعمال کرنا خلاف ادب تصور کرتے ہیں! بزرگوں کی یہ توقع کہ چھوٹے اس قسم کی بے ادبی نہ کریں جائز سہی۔ مگر ان سے یہ سوال کرنے کی ضرورت باقی رہتی ہے کہ چھوٹوں نے یہ نامعقول حرکت کہاں سے سیکھی تو وہ ماں کے پیٹ سے سگرٹ پیتے ہوئے نہیں آئے تھے۔ یہ سگرٹ نوشی جس کو آپ مذموم و معیوب خیال فرما رہے ہیں آپ ہی سے سیکھی گئی۔

سگرٹ کے جگر خراش نتائج سے مائیں اچھی طرح واقف ہیں! ابھی چند روز کا ذکر ہے کہ کسی فوجی افسر کا دل کی حرکت بند ہونے سے دفعتاً انتقال ہوا۔ ڈاکٹروں نے یہ رائے دی کہ یہ شخص کثرت سے سگریٹ پیتا تھا اور روزانہ اوسط اس کا شاید بارہ تیرہ تھا جس سے پھیپھڑے خراب ہو گئے اور دل کی حرکت بند ہوئی۔ اب خیال کرنیکی جگہ ہو کہ جب جوان طاقتور مردوں پر یہ اثر پڑتا ہو تو چھوٹے چھوٹے بچوں پر کیا اثر پڑتا ہوگا۔ مردوں کو ضرور یہ احتیاط کرنی چاہیئے کہ وہ چھوٹے بچوں کے سامنے ہرگز سگرٹ نہ پئیں اور یہ کام عورتوں کا ہو کہ وہ جہاں ان کے دلوں میں اور بہت سی باتوں کی برائیاں بٹھائیں وہاں سگرٹ کی بھی۔ اور اگر کوئی بچہ سگرٹ پیتا نظر آئے تو اس کے والدین کی غفلت سمجھیں۔

مصور غمؒ کی اور نئی کتابیں

عروس مشرق	اُن مؤثر مضامین کا مجموعہ جن میں مشرقی خوبیوں کو نمایاں کیا گیا ہے اور جنھیں قائم رکھنے سے ہی مشرق کے بسنے والے ترقی کر سکتے ہیں ۱۰ار
قرآنی قصے	اُن نبیوں اور رسولوں کے حالات جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ نے نبیوں کے حالات مخصوص رنگ میں لکھے ہیں عہ
گرداب حیات	عورتوں کی اصلاح اور حمایت میں چھوٹے چھوٹے نتیجہ خیز اور مؤثر ۲۵ افسانے عام فہم پیرایہ میں۔ قیمت عہ
سیاحت ہند	حضرت علامہ مغفور نے ہندوستان کے مختلف شہروں اور قصبوں کی سیاحت فرماکر جو حالات لکھے تھے وہ اب کتابی صورت میں شائع کئے گئے ہیں نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہیں۔ انکے مطالعہ سے معلومات میں مفید اضافہ ہوتا ہے۔ قیمت عہ
نالۂ زار	ان مشہور دردانگیز مضامین کا مجموعہ جن میں عورت کی مختلف حیثیت پر علامہ مغفور نے نہایت مؤثر بحث فرمائی ہے۔ یہ وہ بے بہا مضامین ہیں جو زنانہ لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں۔ قیمت ۱۲ار
بزم رفتگاں	اُردو ادب کے غیر فانی مرثیے جو ملک کی مایۂ ناز خواتین اور باکمال شعراء ادبا کی یاد میں لکھے گئے تھے۔ اور جو معدن ادب کے بیش بہا جواہر ریزے ہیں (باتصویر) ۱۰ار
دادا لال بجھکڑ	اور پانچ نہایت ہی پر لطف مزاحیہ قصے جنہیں پڑھ کر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں ولائتی نتھی" اور نانی عشو" کے سلسلہ کی تفریحی لیکن نتیجہ خیز کتاب۔ قیمت ۸ار
بے فکری کا آخری دن	اور دوسرے مضامین کنواری بچیوں کیلئے جن کا مقصد یہ ہے کہ وہ والدین کو نعمت سمجھیں اور کنوارپنے کی قدر کریں۔ قیمت ۴ار

ملنے کا پتہ:- دفتر عصمت کوچہ چیلان دہلی

مصوّرِ غم

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری (خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے) شاہجہاں آباد کے اُس مقتدر اور ممتاز خاندان کے فرزند رشید تھے جسے خاندان شاہانِ مغلیہ کے اُستاد ہونیکا نسلاً بعد نسلاً فخر حاصل رہا جس نے مولوی عبد الخالق صاحب مرحوم مولوی عبد القادر صاحب مرحوم اور ہندوستان کے مشہور سحر البیان مولوی عبد الرب مغفور بانی جامع مسجد سہارنپور جیسے جیّد علمار اور قرآن و حدیث کے نامور ماہرین پیدا کئے۔ یہ اجڑے دیار کا وہ نامور خاندان تھا جس کی بیٹیاں حافظہ، حاجیہ، قاریہ ام عطیۃ النسا مرحومہ (چھوٹی استانی جی) اور حاجیہ ام ذکیہ مرحومہ جیسی مشہور عالمہ فاضلہ خواتین اور جس کے داماد شمس العلمار مولوی نذیر حسین مرحوم "محدث دہلی" اور شمس العلمار مولوی نذیر احمد مرحوم جیسے نامور بزرگ تھے۔ حضرت علامہ مغفور بمقام دہلی جنوری ۱۸۶۸ء میں پیدا ہوئے، اور ابھی نو دس برس ہی کے تھے کہ ان کے والد ماجد مولوی حافظ عبد الواجد صاحب نے حیدر آباد دکن میں جہاں وہ محکمۂ بندوبست میں افسرِ اعلیٰ تھے، انتقال فرمایا، اور حضرت علامہ مرحوم کی تعلیم و تربیت ان کے دادا اور چچا حضرت مولوی عبد القادر صاحب مرحوم اور خان بہادر مولوی عبد الحامد صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر کی نگرانی میں ہونے لگی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب انگریزی تعلیم کو مسلمان کفر سمجھ رہے تھے۔ اس لئے حضرت علامہ مغفور نے اُردو فارسی عربی وغیرہ گھر پر پڑھی۔ پھر انگریزی تعلیم دہلی کے عربک اسکول میں ہوئی۔ مگر انہوں نے اپنے شوق سے اسے بہت کچھ ترقی دی۔ مولوی نذیر احمد مرحوم (جو علامہ مرحوم کے حقیقی پھوپا تھے) اور مولانا حالی مرحوم کی شاگردی نے علامہ مغفور کی قابلیت کی ترقی میں چار چاند لگا دیئے۔ ابھی حضرت علامہ انٹرنس ہی میں تھے کہ ان کی ذہانت کا چرچا ہونے لگا۔

تکمیلِ تعلیم کے بعد مولوی عبد الرحیم صاحب بانی جامع مسجد جھجر کی اکلوتی صاحبزادی سے جنوری ۱۸۹۰ء میں شادی ہوئی۔ اور ۱۸۹۱ء میں محکمۂ بندوبست کے انگریزی دفتر میں ملازمت شروع کی۔ مگر ملازمت کی پابندی حضرت علامہ کی طبیعت

کے خلاف تھی۔ اور دفتر کے خشک کاموں میں جی نہ لگتا۔ پھر علامہ مرحوم کی والدہ مرحومہ اپنے اکلوتے بیٹے کی جدائی زیادہ روز کے لئے گوارا نہ کر سکتی تھیں۔ ان وجوہ سے جم کر ایک جگہ نوکری نہ کی۔ اور ترقی کے نہایت معقول مواقع میسر آنے پر ان کی طرف مطلق توجہ نہ فرمائی، اور اناؤ، کھیری، میرٹھ، علی گڑھ، دہرہ دون کی تبدیلی ہوتی رہی آخر دلی کے پوسٹل آڈٹ آفس میں تبدیل ہوئے مگر چند سال گذرے تھے کہ ۱۹۱۰ء میں اٹھارہ انیس سال کی ملازمت سے استعفا دے دیا۔

حضرت علامہ راشد الخیری رحمتہ اللہ علیہ کی سب سے پہلی تصنیف "حیات صالحہ" یا "صالحات" ہے جو ۱۸۹۵ء میں لکھی گئی ۱۸۹۸ء میں دوسری تصنیف "منازل السائرہ" ختم کی۔ ان دونوں اصلاحی ناولوں کی اشاعت کے بعد حضرت علامہ مغفور کا شہرہ ایک مقبول پایہ مصنف کی حیثیت سے بلند ہونا شروع ہوا۔ ۱۹۰۳ء سے رسالہ "مخزن" میں افسانے اور مضامین شائع ہونے لگے پھر "صبح زندگی" شائع ہوئی اور دلی کے باکمال ادیب کی طرز تحریر کی دلآویزی، زبان کی شیرینی، اور واقعات کے پیرایۂ بیان کی درد انگیزی کی دھوم مچنے لگی۔ ۱۹۰۸ء میں رسالہ "عصمت" جاری ہوا جو ۲۸ سال سے برابر شائع ہو رہا ہے اور ہندوستان کا بہترین زنانہ پرچہ تسلیم کیا جاتا ہے ۱۹۱۱ء میں حقوق نسواں کی حمایت میں رسالہ "تمدن" جاری کیا جو ۵ سال تک بڑی خوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔ ۱۹۱۵ء میں اخبار سہیلی جاری فرمایا مگر ۱۹۱۶ء میں دفتر عصمت میں قیامت کی آگ لگی اور سہیلی جاری نہ رہ سکا ۱۹۱۷ء میں "شام زندگی" شائع ہوئی اور اسے وہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ پہلے ہی سال میں تین مرتبہ چھپی اور کتاب نے قوم سے حضرت علامہ مغفور کو مصور غم کا خطاب دلوایا اب اردو کے بےمثل مصنف نے تصانیف کا ڈھیر لگا دیا اور دو درجن کے قریب ضخیم کتابیں ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۳ء تک کے زمانہ میں لکھ ڈالیں، جو مختلف حضرات نے شائع کیں۔ اور بقول ممکانا "تاجروں" لاکھوں روپیہ پیدا کیا۔" حضرت مصور غم نے اپنی تصانیف کی جو مقبولیت دیکھی شاید اردو کے کسی مصنف کو دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔ ایک دو نہیں درجنوں کتابیں آٹھ آٹھ دس دس سال کے عرصہ میں دس دس بارہ بارہ دفعہ چھپیں۔ بلکہ "صبح زندگی" "شام زندگی" وغیرہ کے تو پندرہ پندرہ بیس بیس ایڈیشن شائع ہوئے۔ آخری دو کتابیں "آمنہ کا لال" "سیدہ کا لال" بھی چار ساڑھے چار سال میں ہزارہا کی تعداد میں پانچ چھ دفعہ چھپ کر ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں۔

۱۹۱۸ء میں پنجاب یونیورسٹی نے اردو کورس علامہ مغفور سے صحیح کرائے۔

۱۹۲۰ء میں نیشنل یونیورسٹی نے سب سے پہلا اُردو ممتحن مقرر کیا۔ ۱۹۲۷ء میں حکومت بہار واڑیسہ نے شمالی ہند سے بحیثیت ماہر اُردو کے اُردو ہندی کی ترقی کے سلسلے میں حضرت علامہ مرحوم سے بیش بہا مشورے لیے۔

۱۹۲۲ء میں مسلمان بچیوں کے لئے تربیت گاہ بنات قائم کی جس سے ہندوستان کے مختلف حصوں کی سینکڑوں خوشحال اور یتیم و نادار بچیوں نے بحیثیت بورڈر تعلیم و تربیت حاصل کی اور جس سے ہزاروں غریب کم استطاعت بچیاں زیور تعلیم سے آراستہ ہوئیں اس مدرسہ کیلئے بیگم صاحبہ محترمہ کے ساتھ علامہ مغفور باوجود پیرانہ سالی کے ہندوستان کے کسی صوبہ کا سال میں مہینہ سوا مہینہ کا دورہ فرماتے تھے۔ مدرسہ کے کاموں میں محترمہ بیگم راشد الخیری صاحبہ حضرت علامہ مرحوم کی برابر کی شریک رہیں۔ ۲۷ء میں مسلمان بچیوں کے لئے رسالہ "بنات" جاری فرمایا ۳۲ء میں علامہ مغفور کی مرحومہ بہو محترمہ خاتون اکرم کی یادگار میں زنانہ دستکاری کا رسالہ "جوہر نسواں" جاری ہوا۔ حضرت علامہ راشد الخیری کی (خدا انہیں غریق رحمت فرمائے) خودداری بڑے آدمیوں اور بااثر و بارسوخ لوگوں سے ے جلنے کو کبھی درست نہ سمجھتی تھی نام و نمود و شہرت و خودستائی جلسوں اور بے نتیجہ تقریروں سے سخت نفرت تھی۔ کسی جلسہ یا کسی تحریک میں حصہ نہ لیتے تھے حضرت مصور غم نے خاموشی کے ساتھ مسلسل چالیس سال تک تصانیف اور رسالوں کے ذریعہ خواتین ہند اور ادب اُردو کی جو زبردست شاندار خدمات انجام دیں وہ اس قدر گراں بہا اور عظیم الشان ہیں کہ مشہور ادیبوں اور رہنمایان قوم کا فیصلہ ہے کہ ان کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اصلاح نسواں اور حقوق نسواں کیلئے حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کی کوششیں کبھی فراموش نہ ہوسکیں گی۔ مصور غم ہی کی تحریروں سے عورتوں کی مظلومیت پر مردوں کے دل پسیجے۔ مصور غم ہی کے لٹریچر سے عورتوں کو اپنی اصلاح و ترقی کا احساس پیدا ہوگیا۔ اور گذشتہ تہائی صدی میں خواتین ہند میں جو تھوڑی بہت بیداری پیدا ہوئی ہے متفقہ طور پر اس کا اعتراف کیا گیا ہے کہ اسمیں بہت بڑا حصہ جنت نصیب حضرت علامہ راشد الخیری کی ان تھک مسلسل کوششوں کا نتیجہ ہے۔ حضرت مصور غم علیہ الرحمۃ مشرق کے بےمثل حزن نگار مصنف ہی نہ تھے۔ مزاحیہ مضامین لکھنے میں بھی کمال رکھتے تھے۔ ناولسٹ بھی تھے، جرنلسٹ بھی، مختصر افسانہ نگار بھی تھے، اور مورخ بھی شاعر بھی تھے اور انشا پرداز بھی، مگر ہر حیثیت میں مصلح اور نسوانی جذبات کے ترجمان۔ ان کی تحریر کی طرح انکی تقریروں اور لکچروں میں بھی خدا نے کچھ ایسا اثر اور آواز میں کچھ ایسا درد عطا فرمایا تھا کہ مجمع زار و قطار آنسو بہاتا تھا۔ حضرت علامہ مغفور میں مذہبی عنصر بہت غالب تھا زمانۂ شباب میں

علاوہ مذہب کے فارسی شاعروں اور انگریزی مصنفین کا بھی مطالعہ فرمایا تھا، حافظہ حیرت انگیز تھا۔ موسیقی سے بہت دلچسپی تھی، انگریزی اور ہندوستانی بہت سے کھیل جانتے تھے۔ بدن کسرتی تھا، جسم دوہرا قد لمبا، چہرہ پر دلالت اور نور برستا تھا۔ خانگی زندگی انتہائی کامیاب تھی اور دیکھنے والوں کے لئے ہر حیثیت سے قابل رشک تھی۔ بے نظیر بیٹے، لاجواب بھائی، سعادتمند داماد۔ بہترین شوہر، عاشق زار باپ، اور بہترین دوست ہمیشہ شاداں و خنداں رہتے تھے۔ ان کی بذلہ سنجی، لطیفہ گوئی اور زندہ دلی ان کے ملنے والے بھلائے سے بھی نہیں بھول سکتے۔ جن کی قابلیت کا چار کھونٹ ڈنکا بج رہا تھا۔ جن کی شہرت اس دور کے بڑے بڑے مصنفوں اور رہنماؤں کیلئے باعث رشک تھی، جن کا نام عزت کے ساتھ جنکا ذکر محبت کے ساتھ لیا جاتا، اور کیا جاتا تھا، ان کی شرافت اور اخلاق، سادگی اور وضعداری، مہمان نوازی اور انسانی ہمدردی دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈالدیتی تھی۔ ان کی عاجزی اور انکساری کا یہی ثبوت کچھ معمولی نہیں کہ ۴۰ کے قریب کتابیں زندگی میں شائع ہوگئیں لیکن کسی کتاب میں تصویر شائع نہ کرنے دی۔ کسی کتاب کو کسی کے نام منسوب نہ کیا۔ کسی کتاب میں کسی کی تقریظ جائز نہ سمجھی۔ ~~تین چار کتابوں میں دیباچے بھی مجبوراً لکھے~~ ورنہ سوائے ٹائیٹل پر نام آنے کے اپنا نام تک اپنی کتاب میں دوبارہ آنا پسند نہ فرمایا۔ صبر شکر توکل و قناعت ہمیشہ شیوہ رہا۔ اپنی حالت میں بے انتہا خوش رہے۔ رحمدلی مخلصانہ عملی ہمدردی، غیروں کی آگ میں کود پڑنا، دوسروں کے لئے سب کچھ لٹا دینا المختصر خدمت خلق اللہ حاصل عمر تھا۔ ۶۸ سال کی عمر تھی اور بظاہر صحت نہایت اچھی کہ دو ماہ بیمار رہ کر ۳ فروری کی منحوس صبح کو اجڑے دیار کے آخری باکمال مصنف کا سایہ قوم بدبخت کے سر سے اٹھ گیا۔ معصور غم کی رحلت پر ہندوستان بھر کے ہر پڑھے لکھے گھرانے میں کہرام مچ گیا جگہ جگہ زنانہ اور مردانہ ماتمی جلسے ہوئے اور ہندوستان کے باہر ادب اردو کا ذوق رکھنے والا ہر شخص دم بخود ہوگیا۔ جس قدر رنج و غم میں ڈوبے ہوئے مضامین جتنے مرثیے نوحے قطعات تاریخ المختصر جس قدر بلند پایہ ماتمی لٹریچر معصور غم کے انتقال پر شائع ہوگیا وہ اتنا زبردست ہے کہ بقول اڈیٹر ملت "کسی ادیب یا رہنما کی وفات پر اس وقت تک شائع نہ ہوسکا" آسمان کتنی ہی کروٹیں بدلے زمین کتنے ہی چکر کاٹے، ہندوستان بٹے، ہندوستان والے بدلیں، معاشرت بدلے ادب بدلے لیکن معصور غم حضرت علامہ راشد الخیری کو ہمیشہ عزت و محبت کیسا تھ یاد کیا جائیگا اور انکا نام آنیوالی نسلیں فخر کیساتھ لیتی رہیں گی۔ خدا کی شان۔ جنتوں کے پھول ان مزار مبارک پر برستے رہیں وہ میٹھی نیند سو رہے ہیں اور خدا جنت نعیم میں اس پاک روح کو ابدی سکون عطا فرمائے جسکی دائمی مفارقت میں ہم آٹھ آنسو لا رہی ہے۔

۲۳ جولائی ۳۶ء

رازق الخیری

Printed at Mahboob-ul-Matabа, Delhi